

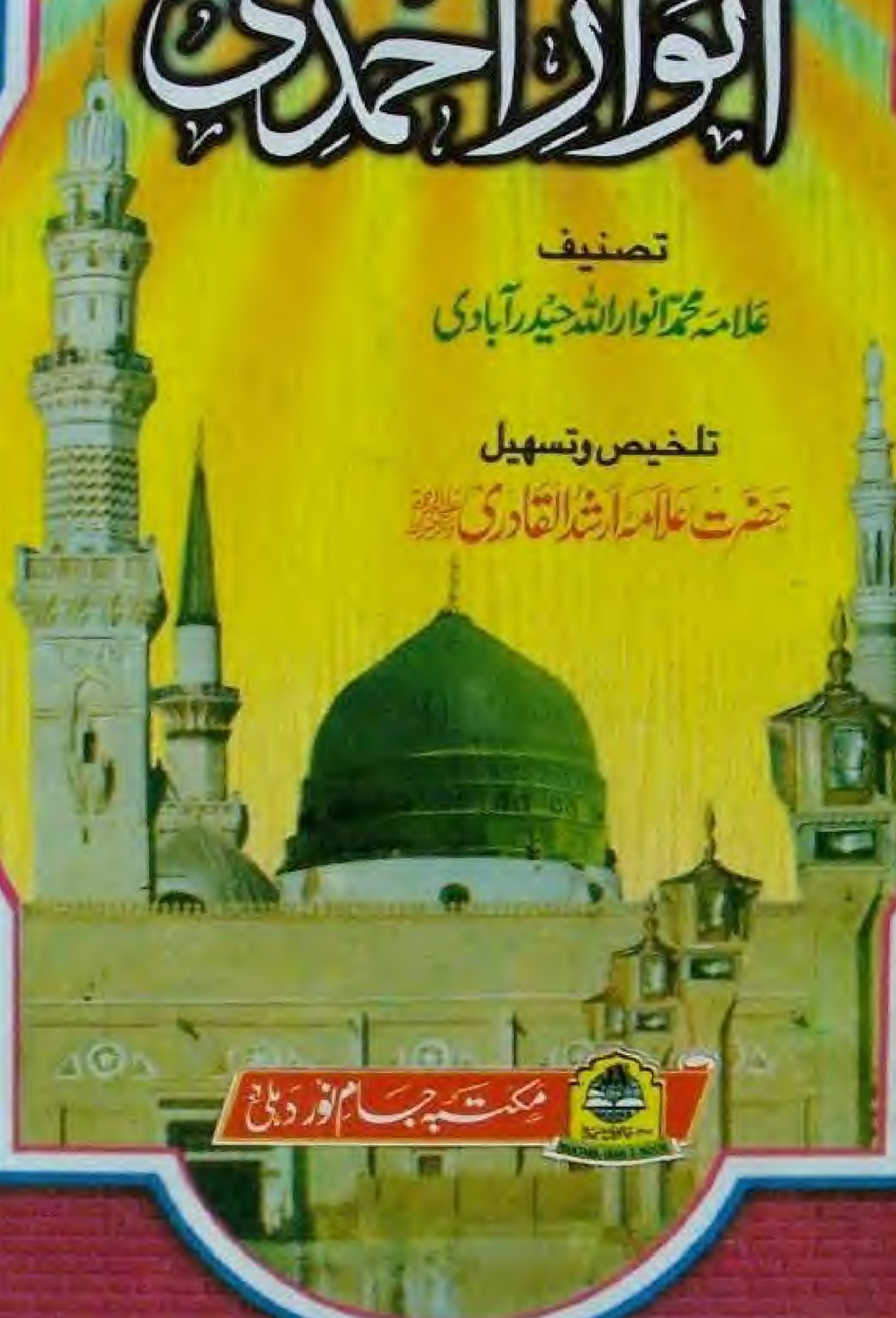
# ایمان و احادیث

تصنیف

علامہ محمد انوار اللہ حیدر آبادی

تلخیص و تسهیل

حضرت علامہ ارشد القادری



مکتبہ چب ام نور دہلی







منصب رسالت کی عظمت و تکریم پر ایک نہایت اثر انگیز کتاب

# انوار احمدی

تصنیف

شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ محمد انوار اللہ صاحب قادری حنبلی

بانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد و استاذ سلاطین دکن

تلخیص و تسہیل

رئیس التحریر علامہ ارشد القادری

ناشر

مکتبہ جام نور۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲



جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب \_\_\_\_\_ انوار احمدی  
تصنیف \_\_\_\_\_ شیخ الاسلام حضرت علامہ انوار اللہ صاحب  
تلخیص و تبصرہ \_\_\_\_\_ حضرت علامہ ارشد القادری  
پروٹ ریڈنگ \_\_\_\_\_ مولانا غلام عبدالقادر فیضی  
کتابت \_\_\_\_\_ عبداللہ خاں، دوکان سو بٹا رام پور  
ناشر \_\_\_\_\_ مکتبہ جامع نور نی دہلی ۲



## فہرست مضامین

۳۰	انوار احمدی کا سبب تالیف	۷	پیش لفظ
۳۱	اختلافی مسائل میں فاضل حضرت	۸	کتاب کی خصوصیات
	کا موقوف	۸	حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کی تعریف
۳۲	سیر گہستان عقیدت	۱۱	اقتباسات
۳۸	سوانح حیات حضرت فاضل حضرت	۱۲	پہلا اقتباس
۳۹	جامعہ نظامیہ کی بنیاد	۱۳	دوسرا اقتباس
۳۹	سلاطین دکن کی تعلیم و تربیت	۱۴	تیسرا اقتباس
۴۰	تعلیم سلوک اور بلاد اسلامیہ کا سفر	۱۳	چوتھا اقتباس
۴۰	دائرۃ المعارف کا قیام	۱۴	پانچواں اقتباس
۴۱	شیخ الاسلام کی تصنیفات	۱۵	چھٹا اقتباس
۴۱	وصال شریعت	۱۶	ساتواں اقتباس
۴۱	حضرت کے معجزات	۱۶	آٹھواں اقتباس
۴۲	نعت گوئی بھی زبان و قلم کا ایک جہاں ہے	۱۶	نواں اقتباس
۴۲	پہلی حدیث	۱۷	دسواں اقتباس
۴۲	دوسری حدیث	۱۹	گیارہواں اقتباس
۴۲	تیسری حدیث	۱۹	بارہواں اقتباس
۴۵	حضور ہی کے وجود سے سارے عالم کا	۲۰	تیرہواں اقتباس
	وجود ہے۔	۲۱	بچودھواں اقتباس
۴۵	پہلی حدیث	۲۲	بندرہواں اقتباس
۴۶	دوسری حدیث	۲۳	سولہواں اقتباس
۴۶	تیسری حدیث	۲۴	سترہواں اقتباس
۴۷	فائدہ	۲۵	اقتباسات کے ذیل میں قابل غور نکتے
۴۷	چوتھی حدیث	۲۶	کتاب کے باب میں چند محروقات
۴۸	پانچویں حدیث	۲۹	کتاب کی تلخیص و تسہیل میں
۴۸	ایک لکھ کا تذکرہ		پہرے قلم کے ناگزیر یہ توفقات



۴۸	حضرت علیؑ کا ذکر اللہ کی ذکر ہے	۴۸	فضائل درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں
۴۹	پہلی دلیل	۴۹	پہلی حدیث
۴۹	دوسری دلیل	۴۹	فائدہ
۵۰	فائدہ	۵۰	دوسری حدیث
۵۰	تیسری دلیل	۵۰	سولے کا قلم چاندی کی دوات،
۵۰	فائدہ	۵۰	اور نور کا کاغذ
۵۱	چوتھی دلیل	۵۱	درود شریف کا ایک رقت انگیز واقعہ
۵۱	پانچویں دلیل	۵۱	حضور کے دربار میں درود شریف
۵۲	فائدہ	۵۲	کس طرح پہنچتا ہے ؟
۵۲	چھٹی دلیل	۵۲	پہلا طریقہ
۵۳	فائدہ	۵۳	دوسرا طریقہ
۵۴	ساتویں دلیل	۵۴	تیسرا طریقہ
۵۴	فائدہ	۵۴	سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال
۵۴	آٹھویں دلیل	۵۴	ایک شبہ کا نہایت نفیس جواب
۵۴	عہد صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ	۵۴	پہلی حدیث
۵۵	فائدہ	۵۵	دوسری حدیث
۵۶	جلالت شان مصطفیٰ کے رنگارنگ جلوے	۵۶	صلوٰۃ کے معنی کے تعین میں ]
۵۸	عقیدہ ختم نبوت پر ایک فکر انگیز بحث	۵۸	ایک شاندار علمی بحث
۶۰	پہلی تنبیہ	۶۰	پہلا معنی
۶۰	دوسری تنبیہ	۶۰	دوسرا معنی
۶۰	تیسری تنبیہ	۶۰	تیسرا معنی
۶۱	چوتھی تنبیہ	۶۱	پہلی دلیل
۶۲	پانچویں تنبیہ	۶۲	دوسری دلیل
۶۳	چھٹی تنبیہ	۶۳	تیسری دلیل
۶۴	درود و سلام کی نورانی بحث	۶۴	چوتھی دلیل
۶۵	درود شریف کے اہتمام کی ضرورت	۶۵	پانچویں دلیل
			چوتھا معنی
			ایک ایمان افروز حدیث
			فیصلہ کن بات



۱۰۱	تیسرا نکتہ	۸۱	ایک بصیرت افروز نکتہ
۱۰۲	اسلام کی اہمیت پر دلائل کے انبار	۸۲	امام ابو منصور ماتریدی کے علمی نکتے
۱۰۴	پہلی دلیل		سے استفادہ
۱۰۳	دوسری دلیل	۸۳	حنوز کی غیبی قوت اور ان کی پہلی دلیل
۱۰۴	تیسری دلیل	۸۴	دوسری دلیل
۱۰۵	چوتھی دلیل	۸۴	تیسری دلیل
۱۰۵	پانچویں دلیل	۸۵	امام سیوطی کی روایت کردہ ایک حدیث
۱۰۶	ایک تشبیہ اور اس کا جواب	۸۵	حنوز کی غیبی قوت اور ان کی چوتھی دلیل
۱۰۸	اس دعوے کے ثبوت میں تین وجہیں	۸۶	پانچویں دلیل
۱۰۸	پہلی وجہ	۸۸	آیت کریمہ کے نکات
۱۰۸	دوسری وجہ	۸۸	پہلا نکتہ
۱۰۹	تیسری وجہ	۹۰	دوسرا نکتہ
۱۰۹	ایک لطیف طنز	۹۱	تیسرا نکتہ
۱۱۰	خلاصہ بحث	۹۲	چوتھا نکتہ
۱۱۱	ایک اعتراض اور اس کا درجہ درجہ جواب	۹۳	درود بھیجنے کے مواقع
۱۱۳	قیام تعظیمی کی بحث	۹۳	پہلی حدیث
۱۱۳	قیام تعظیمی کی پہلی دلیل	۹۳	دوسری حدیث
۱۱۴	قیام تعظیمی کی دوسری دلیل	۹۴	تیسری حدیث
۱۱۴	قیام تعظیمی کی تیسری دلیل	۹۴	چوتھی حدیث
۱۱۵	قیام تعظیمی کی چوتھی دلیل	۹۵	پانچویں حدیث
۱۱۶	قیام تعظیمی کی پانچویں دلیل	۹۵	چھٹی حدیث
۱۱۶	قیام تعظیمی کی چھٹی دلیل	۹۰	ساتویں حدیث
۱۱۷	قیام تعظیمی کی ساتویں دلیل	۹۶	آٹھویں حدیث
۱۱۷	قیام تعظیمی کی آٹھویں دلیل	۹۶	چند مقامات کی اور نشانہ جی
۱۱۸	قیام تعظیمی کی نویں دلیل	۹۷	حاصل ہونے پر امام سنی و سنی کے فہم سے
۱۱۸	قیام تعظیمی کی دسویں دلیل	۹۷	فاضل مصنف کی ایک بڑی موزون نصیحت
۱۱۹	فاضل مصنف کی ایک بڑی موزون نصیحت	۹۸	اسلام کی بحث
۱۱۹	قرآن میں منصب رسالت کی تعظیم	۹۸	پہلا نکتہ
	سکا حکم	۱۰۰	دوسرا نکتہ



۱۵۳	حضرت عثمان غنیؓ کا شیوہ ادب	۱۲۰	پہلی آیت
۱۵۶	حضرت عرفانہؓ کا شیوہ ادب	۱۲۱	دوسری آیت
۱۵۷	حضرت ابو بکر صدیقؓ کا شیوہ ادب	۱۲۳	تیسری آیت
۱۵۸	ایک ہی شیوہ ادب متعدد صحابہ کا	۱۲۳	تشریح
۱۵۹	حضرت ابو بکرؓ کا شیوہ ادب	۱۲۵	چوتھی آیت کریمہ
۱۶۰	عام صحابہ کرام کا شیوہ ادب	۱۲۵	تشریح
۱۶۱	حضرت اسلم بن ثریک کا شیوہ ادب	۱۲۷	پانچویں آیت
۱۶۳	حضرت برابر بن عازب کا شیوہ ادب	۱۲۷	تشریح
۱۶۵	حضرت امام مالک کا شیوہ ادب	۱۳۰	چھٹی آیت
۱۶۸	حضرت امام شافعی کا شیوہ ادب	۱۳۰	تشریح
۱۶۹	حضرت ابوالجوب کا شیوہ ادب	۱۳۱	ایک حدیث اور اس کا جواب
۱۷۰	نام مبارک کی تعظیم کا حکم	۱۳۳	ساتھویں آیت
۱۷۰	پہلی حدیث	۱۳۳	تشریح
۱۷۰	دوسری حدیث	۱۳۶	آٹھویں آیت
۱۷۰	تیسری حدیث	۱۳۶	تشریح
۱۷۱	چوتھی حدیث	۱۳۸	تعظیم و ادب کے سلسلے میں
۱۷۱	پانچویں حدیث	۱۳۸	حضور پاک کی عملی تعلیمات
۱۷۱	تعظیم نام محمد کا ایک بیان افروز واقعہ	۱۳۸	پہلی حدیث
۱۷۳	نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے کی بحث	۱۳۹	دوسری حدیث
۱۷۷	تاریخ فتنہ و بابت	۱۴۰	تیسری حدیث
۱۸۱	باقی فرقہ و بابیہ کے مظالم	۱۴۱	چوتھی حدیث
۱۸۲	ایک انتہائی عبرتناک واقعہ	۱۴۲	بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام اور
۱۸۴	اس واقعہ پر فاضل مصنف کا تبصرہ	۱۴۲	اکابر امت کے شیوہ ہائے ادب
۱۸۴	ہندوستان میں باقی فرقہ کی نشاندہی	۱۴۵	عام صحابہ کا شیوہ ہائے ادب
۱۸۵	پہلا اقراری بیان	۱۴۶	جناوروں کا شیوہ ہائے ادب
۱۸۵	دوسرا اقراری بیان	۱۴۸	نبوت عرفانہ کا شیوہ ادب
۱۸۵	تیسرا اقراری بیان	۱۵۰	سنت ابو بکر صدیقؓ کا شیوہ ادب
۱۸۷	چوتھا اقراری بیان	۱۵۱	حذرت علی رضی اللہ عنہ کا شیوہ ادب





الْحَمْدُ لِلَّهِ ۝ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى جَبَلِيَّةٍ وَنَبِيِّهِ ۝  
وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ ۝ وَمُحِبِّيهِ وَحِزْبِهِ ۝ عَلَيْهِمُ الْجَمْعُ

## پیش لفظ

از:- رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری

### حیدر آباد کا ایک مبارک سفر

آج سے تقریباً آٹھ نو سال پہلے مکہ مسجد حیدر آباد میں شہر کی مختلف تنظیموں کی طرف سے ایک پنج روزہ تبلیغی پروگرام رکھا گیا تھا۔ جس میں ملک کے مختلف مشاہیر علمائے اہل سنت کے ساتھ دو دن کے لئے میں بھی مدعو تھا۔ اجلاس میں عاشقان رسول کا بے پناہ اثر دہام اور ان کا مذہبی جوش و خروش دیکھ کر میری مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ تقریروں کے دوران مجمع میں جذبات کے تلاطم کا عجیب عالم تھا۔ اُس دن میں نے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکارِ کونین کے ذکر جمیل سے سوکھی ہوئی رگوں میں کس طرح زندگی کی لہر دوڑتی ہے۔ اور تپے ہوئے الفاظ کی ضرب سے کس طرح غفلتوں کا نشہ اترتا ہے۔ کتنی ہی آنکھیں فرطِ محبت سے اشکبار تھیں اور کتنے ہی قلوب جذبِ شوق میں مچل رہے تھے۔ اسی عالم خود فراموشی میں اہلِ محبت نے پانچ راتیں گزار دیں۔ دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے لیکن گھر لوٹنے والوں کی پیشانیوں سے امید کی جو کرن بھوٹ رہی تھی اس سے دلوں کی کیفیت کا کچھ نہ کچھ سراغ ضرور لگتا تھا۔

اجلاس سے فراغت کے بعد کئی دن حیدر آباد میں قیام کرنے کا موقع ملا۔ انہی ایام میں جنوبی ہند کی مشہور درس گاہ جامعہ نظامیہ کے اساتذہ کی دعوت پر اس کی زیارت کا ثمر حاصل ہوا۔



جامعہ کی پرشکوہ عمارتیں اس کا حسن انتظام دیکھ کر بہت زیادہ خوش حاصل ہوئی۔ ایک بلند پایہ تعلیمی مرکز کو جن خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیے وہ ساری خوبیاں دامن کو کھینچتی تھیں کہ ہمیں دیکھو۔ جامعہ نظامیہ اپنے عظیم المرتبت بانی شیخ الاسلام مولانا حافظ شاہ النوار اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی نسبت سے ایک باوقار دارالعلوم اور ایک عظیم مرکز علم و فن کی حیثیت سے سائے افطار ہند میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ جامعہ میں حاضری کے موقع پر وہاں کے اساتذہ نے ازراہ علمی قدر دانی حضرت شیخ الاسلام کی چند گراں قدر تصنیفات بھی مجھے عنایت فرمائیں۔ جن میں مقاصد الاسلام اور انوار احمدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

انوار احمدی کا مطالعہ کر کے میں حضرت فاضل مصنف کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، ذہنی استحضار، قوت تحقیق، ذہانت و نکتہ دہی، اور بالخصوص ان کے جذبہ حب رسول اور حمایت مذہب اہل سنت کی قابل قدر خصوصیات سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

### کتاب کی خصوصیات

یہ گراں قدر کتاب فضائل رسول اور اختلافی مسائل پر اس درجہ اطمینان بخش معلومات فراہم کرتی ہے کہ اسے ایک بار پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی انصاف پسند آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی بات بھی بغیر دلیل کے نہیں کہی گئی ہے۔ خاص طور پر آیات و احادیث اور بیان کردہ واقعات کے ذیل میں مصنف نے تبصرہ کے طور پر جو نتائج سپرد قلم فرمائے ہیں وہ بالکل نشتر کی طرح دلوں میں چبھ جاتے ہیں اور ان میں اتنی معقولیت ہوتی ہے کہ دل کے انکار کے باوجود دماغ کو ایمان لانا پڑتا ہے۔

### حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کی تقریظ

اس کتاب کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جو ساری خصوصیات پر حاوی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اس کتاب کی مسطر



اور حرف حق کی تصدیق فرمائی ہے جو اردو اور عربی زبان میں کتاب کے شروع میں درج ہے۔ حضرت مہاجر مکی نے اختلافی مسائل پر اس کتاب کے جملہ مشتملات کی تصدیق کر کے ان لوگوں کے لئے قبول حق کا کام آسان کر دیا ہے جو انہیں اپنے بزرگوں کا بھی بزرگ مانتے ہیں۔ اس کتاب پر حضرت موصوف کی تقریظ اردو میں بھی ہے اور عربی میں بھی۔ اردو کی تقریظ کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :

ان دنوں ایک عجیب و غریب کتاب لا جواب مسیحی بانوار احمدی مصنف حضرت علامہ زماں و فرید دوراں، عالم باعمل و فاضل بے بدل جامع علوم ظاہری و باطنی عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی و حشمتی سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر کی نظر سے گزری۔ اور بلسان حق ترجمان مصنف علامہ اقل سے آخر تک سنی۔  
اس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں تائید ربانی پائی گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔ (انوار احمدی ص ۱)

اس تقریظ میں ”تحقیق محققانہ“، ”تائید ربانی“، ”امداد مذہب اہل حق“ اور ”دعوت حق“ کے گر انداز الفاظ خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہیں کہ یہ ایک مرشد روشن ضمیر کے الہامی کلمات ہیں۔ عربی زبان میں رقم کردہ تقریظ اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن بیحد جامع اور ناقابل انکار حقائق پر مشتمل ہے۔ مصنف کی زبان سے کتاب کی سماعت کے بعد اپنے قلبی تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

وَجَدْتُهُ مُوَافِقًا لِلْحَقِّ	میں نے اس کتاب کو سنت کریم کے
الْحَقِّ نَبِيَّةً فَسَجَّيْتُهَا بِالْأَلْفِ	مطابق پایا اس لئے میں نے اس کتاب
الْأَحْمَدِيَّةَ وَابْتَنَاهُ مِنْ هَذِهِ	کا نام انوار احمدی رکھا اور یہی میرا مذہب
وَعَلَيْهِ مِنَ الْمَشْرِقِ يُقْبَلُهُ	ہے اور اس کے مشتملات پر بھی
رَبِّ الْمَقْبُولِينَ وَجَعَلَهُ	میرے مسلک و مشرب کا مدار ہے۔



ذَخِيرَةُ الْيَوْمِ الْآخِرِ -  
 (انوار احمدی ص -)  
 مقبول بندوں کا پروردگار اسے  
 قبول فرمائے اور اسے ذخیرہ آخرت  
 بنائے۔

اس تقریظ میں بھی موافق سنت میرا مذہب، میرے مشرب کا مدار اور  
 ”ذخیرہ آخرت“ کے الفاظ خاص طور پر توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

اب اپنے قارئین کرام کے سامنے کتاب سے چند ایسے اقتباسات پیش کرنا چاہتا  
 ہوں جن کی حقانیت پر شیخ المشائخ حضرت مہاجر مکی نے اپنی مہر توشیح ثبت فرمائی ہے  
 اور جنہیں اپنا مذہب، اپنے مشرب کا مدار، اور امداد مذہب اہل حق قرار دیا ہے۔  
 مجھے امید ہے کہ قارئین کرام ان اقتباسات کو کلمات تقریظ کی روشنی میں  
 پڑھیں گے اور اپنی آنکھوں سے عصبیت کی وہ ساری عینکیں اتار دیں گے جنہوں نے  
 تلاش حق کے مسافروں کو ہمیشہ گمراہ کیا ہے۔





## اقتباسات

### پہلا اقتباس

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے انکار میں تحذیر الناس کی فلسفیانہ بحث کی مذمت کرتے ہوئے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم ذرا ان صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو کُنْ بَدْعٌ ضَلَالٌ (یعنی ہر نئی چیز گمراہی ہے) پڑھ پڑھ کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے کیا اس قسم کی بحث فلسفی بھی کہیں قرآن و حدیث میں وارد ہے؟ یا قرآن ثلاثہ میں کسی نے کی تھی؟

پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہو کر کیا استحقاق پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر ہوگا۔

دیکھئے حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی بڑا طریقہ نکالے تو اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (رواہ مسلم)

(انوار احمدی ص ۵)



## دوسرا اقتباس

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ اس مقام پر غیظ میں ڈوبے ہوئے قلم کا ذرا چھٹتا ہوا طنز ملاحظہ فرمائیے۔ تحذیر الناس کے مصنف کا تعاقب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

بجلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت تھی تھی جو طرح طرح کے شائسانے نکالے گئے۔  
یہ تو بتائیے! کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کوئی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا تو فلاسفہ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دو دم (دو دھاری تلوار) اُن سے لے کر میدان میں آکر ٹپے ہوئے۔  
(انوار احمدی ص ۵)

## تیسرا اقتباس

غیرت محبت کا تقاضا ابھی پورا نہیں ہوا۔ عقیدہ ختم نبوت پر ڈالا ہوا اگر دو غبار جب تک بالکل صاف نہ ہو جائے دل کو اطمینان کیونکر حاصل ہو سکتا ہے۔ بحث کا طویل سلسلہ ختم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:



حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کیسی متغیر ہو گئی کہ چہرہ مبارک سے آثار غضب پیدا تھے۔ اور باوجود خلق عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ان الذین یؤذون اللہ و	جو لوگ ایذا دیتے اللہ اور اس
رأسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا	کے رسول کو لعنت کرتا ہے اللہ ان
وآلہم خیر واعداء لهم	پر دنیا میں بھی اور آخرت میں
عدا ابائہم ۵	بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے
(انوار احمدی ص ۵۲)	لئے ذلت کا عذاب!

## جو تھا اقتباس

صلوٰۃ و سلام کی بحث میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو ہندو پاک میں قیام و سلام کے منکرین و مخالفین کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک مقام پر حضرت مصنف انہیں متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:



حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کیسی متغیر ہو گئی کہ چہرہ مبارک سے آثار غضب پیدا تھے۔ اور باوجود خلق عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

ان الذین یؤذون اللہ و	جو لوگ ایذا دیتے اللہ اور اس
رأسولہ لعنہم اللہ فی الدنیا	کے رسول کو لعنت کرتا ہے اللہ ان
وآلہم خاتمة واعداء لهم	پر دنیا میں بھی اور آخرت میں
عدا ابائهمینا ہ	بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے
(انوار احمدی ص ۵۲)	لئے ذلت کا عذاب!

## جو تھا اقتباس

صلوٰۃ و سلام کی بحث میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو ہندو پاک میں قیام و سلام کے منکرین و مخالفین کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک مقام پر حضرت مصنف انہیں متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:



اب ہم اُن حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے۔ کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لئے اپنا "صلوٰۃ" بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں ممکن ہونی چاہیے تھی۔ لیکن جب ان کے دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے جیب کی جو قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بالکل منافق دعوائے عظمت کبریائی ہے۔ (انوار احمدی ص ۱۱)

### پانچواں اقتباس

جو لوگ منصب رسالت کی ناقدری کرتے ہوئے تعظیم و احترام کی بجا آوری سے گریز اور انکار کرتے ہیں ان کے خلاف اتمام حجت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ اس عبارت میں غیرت حق کا تیور خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے۔

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جملہ اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود و مٹھرا باگیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اُس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے اور اس سے یہ بات بھی



ظاہر ہو گئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو صرف دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔

اس کی مثال بعینہ ایسی ہوئی جیسے کفار مکہ حق تعالیٰ کو خالق ارض و سما کہتے تھے مگر بت پرستی اور اس کے لوازم ان کے اس قول کو باطل کئے دیتے تھے۔ (انوار احمدی ص ۱۰۱)

### چھٹا اقتباس

اس موضوع پر حضرت فاضل مصنف کی تنبیہات کا یہ حصہ بھی دیدہ انصاف سے پڑھنے کے قابل ہے :

بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کونین جن سے ہر طرح کی امیدیں وابستہ ہیں (صلوٰۃ و سلام کی شکل میں) ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف تصور ہو بلکہ مخالفت میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں کہ اگر حضور کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں قباحت لازم آجائے گی۔  
(انوار احمدی ص ۱۰۱) لَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

### ساتواں اقتباس

اس موضوع پر حضرت مصنف کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیں :

صرف ایک یا دو بار درود شریف اولے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خلاف مرضی حق تعالیٰ بھی ہے۔ اَعَاذُكَ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ (انوار احمدی ص ۱۳۹)



## آٹھواں اقتباس

سلام کی بحث میں حضرت مصنف کی یہ عبارت بھی ان لوگوں کی پشت پر ایک تازیانہ ہے جو نماز میں حضور کی طرف خیال لے جانے کو شرک کہتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

الحاصل ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادۃ ہوگا کیونکہ شارع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف ہیں وہ سب یہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون و چرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔

اب یہ بات بھی محسوس کرنی چاہیے کہ جب سلام کا تہہ ایسا ہوا کہ عبادت محض یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (انوار احمدی ص ۵۱)

## نواں اقتباس

قرآن عظیم کی وہ آیت کریمہ جس میں نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے اور ایسے لوگوں کے خلاف ضبط اعمال کی لڑنہ خیر سزا سنائی گئی ہے اس کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اب ہر عاقل کو چاہیے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ غیر تناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو



اتنی سخت منہ مقرر کی گئی ہے تو اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرت الہی تھا کہ اُس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

اسی وجہ سے صحابہ کرام ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ ہمیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جائے جس سے غیرت الہی جوش میں آجائے پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم فانی سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا کبریائی میں فرق آگیا۔ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَٰلِكْ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفات الہی میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیت کریمہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسا صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔ (انوار احمدی ص ۴۴)

### دسواں اقتباس

یہودی مذہب کے لوگ جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاْعِنَا کہا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر صحابہ کرام بھی حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاْعِنَا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں رَاْعِنَا کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی رَاْعِنَا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اب تم رَاْعِنَا کے بجائے اُنْظُرْنَا کہا کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ہماری طرف نگاہ کر، مہذبوں فرمائیں۔ یعنی اُس لفظ کا استعمال ہی ترک کر دو جس میں توہین کا



بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔  
اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

ہر چند صحابہ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرما دیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایت بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشائستہ جن میں صراحتہ حضور کی کسر شان ہو کیونکر جائز ہوں گے۔

صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن مار دی جائے۔

بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ حکم عام تھا بیشک اس کی گردن مار دی جاتی اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری مراد کیا تھی۔

اب غور کرنا چاہیے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتہ ہو یا کنایتہ، کس درجہ قبیح ہوگا۔

(انوار احمدی ص ۱۱۲)



## گیارہواں اقتباس

اسی موضوع پر حضرت فاضل مصنف کی یہ درو انگیز عبارت پڑھے :

اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک راعنا کہنے والا مستوجب قتل تھا، کوئی اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا تو اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لئے تاویلات بار وہ کچھ مفید ہو سکتیں ؟ ہرگز نہیں ! مگر اب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس زمانے کو یاد کر کے اپنی بے بسی پر رویا جائے۔ اب پرانے خیالات ولے وہ بختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے شرق و غرب میں گاڑ دئے تھے۔ ان خیالات کے جھمکاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوائ دیکھ سکی۔ میدان خالی پا کر جس کو جو چاہتا ہے کمال جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دیدہ دلیری کو دیکھئے کہ جوگستاخیاں اور بے ادبیاں قابل سزا تھیں، انہی پر ایمان کی بنا قائم کی جا رہی ہے جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون کیا ہوگا۔ (انوار احمدی ص ۲۱۳)

## بارہواں اقتباس

ایک آیت کریمہ کا شان نزول بتاتے ہوئے حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔ شاید بعض لوگ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید



اور احکام معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے۔ مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تأمل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آداب سے بھی بندوں کو روشناس کراتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باقی جو سراسر کبر شان کی ہیں کس قدر غیر الہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ (انوار احمدی ص ۲۱۶)

### تیرھواں اقتباس

کثر اعمال کے حوالہ سے حضرت فاضل مصنف نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک دیہاتی نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا آپ خلیفہ رسول اللہ نہیں؟ جواب ارشاد فرمایا کہ میں خلیفہ نہیں بلکہ خالقہ ہوں۔ خالقہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ جو تک خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لئے ازراہ ادب انھوں نے اپنے آپ کو اس لفظ کے مصداق نہیں سمجھا۔ اس لفظ کو ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

جب حضرت ابو بکر جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کون سا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔ معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے؟ اگر اپنے آپ کو حضور سے ملانا اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے تو حضور کی وہ خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو بھی نصیب نہیں ہوئیں ان کے اندر



کہاں سے پیدا ہو جائیں گی۔ اور اگر اپنے برابر کر کے حضور کی شان کا  
تنزل اور گراما مقصود ہے تو ان لوگوں پر اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا  
کا مضمون صادق آتا ہے۔ فرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی کوئی  
راہ نہیں ہے۔ (انوار احمدی ص ۲۳۲)

### چودھواں اقتباس

حضرت امام طبرانی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ  
حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت اسلم بن شریک فرماتے ہیں کہ میں  
سفر میں حضور کی اذنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف فرما ہوتے تھے۔  
ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہو گئی۔ اسی درمیان حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اب  
میں سخت کش مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں؟ سخت سردی کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے  
غسل بھی نہیں کر سکتا تھا اور دوسری طرف طبیعت کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی  
حالت میں حضور کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا اور انہوں  
نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ  
فرمائیں :

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ  
وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا  
گوارا نہ تھا۔ اگر بحشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان  
دکھائی دے گا جس سے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں  
میں پیدا کر دیے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً وہاں اس جنم کے امور کی  
تعلیم تھی اور نہ صراحتہ ترغیب و تحریم۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق ایمان  
حقیقی کا دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو



مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایسا انداز شخص اس کلام کی طرف التفات کرے گا۔  
بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ چودھویں صدی والا خوش اعتقاد ہی  
میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔ الحاصل جب ان  
گمراہوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بزرگان دین کا جس قدر  
ادب کیا جائے محمود ہے۔

اب قدامت زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ خیر القرون کے بعد لوگوں  
کو ان حضرات کے مسلک سے کس قدر دور کر دیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا  
جائے تو معلوم ہوگا کہ معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے حالانکہ اس طرح کے  
امور کی تعلیم عموماً انہیں نہ تھی مگر ان کے دل اتنے ہی مہذب اور مؤدب  
تھے کہ قسم قسم کے آداب اور طرح طرح کے حسن عقیدت پر دلالت کرنے  
والے افعال خود ایجاد کر لیتے تھے اور اصول شرعیہ پر ان کو منطبق کر لیتے  
تھے جن کا سمجھنا بھی اس زمانے میں شاید آسانی نہ ہو سکے۔ کیوں نہ ہو کہ  
ان حضرات کے وہ دل تھے جن کو تمام بندوں کے دلوں پر نفیلت ہونے  
کی وجہ سے حق تعالیٰ نے صحابیت کے واسطے منتخب فرمایا۔

(انوار احمدی ص ۲۴۵)

### پندرہواں اقتباس

فاضل مصنف نے حضرت قاضی عیاض کی شفا شریعت کے حوالہ سے حضرت ابویوب  
سختیانی کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت امام مالک نے بیان کیا کہ حضرت ابویوب  
سختیانی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا عشق تھا کہ جب وہ حضور کا ذکر کرتے  
تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر  
میں نے ان کی شاگردی قبول کر لی۔

اس واقعہ کے ضمن میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

اب ذرا امام سختیانی کے دل کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمائیے



کہ کس درجہ عظمت و محبت ان کے دل پر چھائی ہوئی تھی جس سے وہ حالت پیدا ہو جاتی تھی جو ادب سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ اثر اسی ذکر مبارک کا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں علیٰ حسب مراتب ایمان کو تازہ کرتا ہے۔

سبحان اللہ وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہوئی کہ بڑے بڑے فاضل معاصرین سے انھیں افضل بنا دیا اور یہاں ہنوز اس کے جواز و عدم جواز ہی میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کی مجلس ہی نہ ہونے پائے بھلا سوچئے تو یہی کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتیں مسلمانوں میں پھیلتی رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے۔ (انوار احمدی ص ۲۴)

### سولہواں اقتباس

تعلیم و ادب سے متعلق حضرت فاضل مصنف کے دو اقتباس اور ملاحظہ فرمائیں۔  
ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

وہ (صحابہ کرام) ہر قسم کے آداب خود ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس وقت تک بنیاد بے ادبی کی نہیں پڑی تھی۔ اور اگر چند دوسروں نے بنیاد ڈالی بھی تھی تو ان کی بد اعتقادیوں نے انھیں مومنین مخلصین کے دائرہ سے خارج کر دیا تھا اور دوسرے نام کے ساتھ انھیں مشہور کر دیا تھا۔ اس لئے کوئی ان کی باتوں پر کان نہیں دھرتا تھا۔

اور اس آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ ان حضرات نے جن کی پیروی ہمارے لئے ضروری ہے، قسم قسم کے آداب کی ہمیں تعلیم دی، اب اگر ان کی پیروی میں آج کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراض کی بوجھار ہونے لگتی ہے۔ اور صرف



اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم  
مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔ (انوار احمدی صفحہ ۲۴)

### سترھواں اقتباس

حضرت فاضل مصنف کا یہ آخری اقتباس ہوش و گوش کے ساتھ پڑھئے۔ موصوف  
تقبیل ابھامین یعنی حضور کا نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا جواز  
ثابت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی  
طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا اس کی دینداری میں کچھ نہ  
بچھ خرابی ضرور ہوگی۔

سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام  
کے مقابلے میں گستاخانہ انداز سے اَنَّا خَيْرُ مِمَّا عَدَاوَاتِہُمْ کہا اور ابد الابد کے  
لئے مردود بارگاہ کبریا کی ٹھہرائی اسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس  
کے دل میں جمی اور ان کی خرابی کے درپے ہوا اور اس کے لئے مختلف  
قسم کی تدابیر اس نے سوچیں مگر اس غرض کے لئے وہی تدبیر اسے سب  
سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی  
اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں نہایت زبردست اثر رکھتی ہے۔  
اسی لئے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اِنِّیْ اَنْتُمْ اِلٰہُکُمْ  
مِثْلُنَا کی عام تعلیم اس نے شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار  
انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہا کئے۔ (انوار احمدی صفحہ ۲۵)



## اقتباسات کے ذیل میں قابل غور نکلتے

یہ سارے اقتباسات کتاب سے منتخب کر کے میں نے اس لئے یہاں جمع کئے ہیں تاکہ جو لوگ شیخ المشائخ حضرت امداد اللہ جہا جرمی کو اپنے بزرگوں کا مقتدا کے اعظم مانتے ہیں وہ ان اقتباسات کی روشنی میں ان کے مسلک و مشرب کا اندازہ لگائیں اور ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کر سکیں کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تکریم اور ایمان و عقیدت کا صحیح تقاضا کیا ہے اور ہندو پاک ہیں کونسا طبقہ ان تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کون اسے شرک و بدعت قرار دیتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ اس مقام پر محسوس کرنے کی چیز یہ ہے کہ ان اقتباسات میں جنوبی ہند کے ایک مقتدر پیشوائے منصب رسالت کے حقوق و آداب پر اپنے جن افکار و عقائد کا برملا اظہار کیا ہے اور جن کی حقانیت پر علمائے دیوبند کے مرشد برحق نے اپنی ہر توثیق ثبت فرمائی ہے وہ شمالی ہند کے اعلیٰ حضرت کی آواز سے بالکل ہم آہنگ ہے یا نہیں؟ پھر حق و انصاف کا یہ کتنا بڑا خون ہے کہ بریلی کے اعلیٰ حضرت کو تو بدعت و غلو کے الزام سے مطلع کیا جائے اور وہی بات مرشد برحق فرمائیں تو نہ ان پر غلو کا الزام عائد کیا جائے اور نہ انہیں بدعتی ٹھہرایا جائے۔

اس کتاب کے فاضل مصنف نے بھی اپنی کتاب میں جگہ جگہ ان ایذارسانیوں اور زیادتوں کا ذکر کیا ہے جو خوش عقیدہ مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ کبھی انہیں مشرک کہا جاتا ہے، کبھی ان پر بدعتی ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے اور کبھی انہیں اندھی عقیدت میں گم رہی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ یہ ساری گالیاں انہیں صرف اس لئے دی جاتی ہیں کہ وہ بارگاہ رسالت میں اپنے اعتقاد اور کردار و گفتار کے ساتھ مؤدب رہنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے قول و فعل سے جب رسول کا وہ تقاضا پورا کرتے ہیں جو ائمہ دین اور اکابر امت سے انہیں ورثے میں ملا ہے۔

پچھلے اوراق میں کتاب کے جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں آپ انہیں غور سے



پڑھے۔ ان میں تعظیم و ادب کے جو وظائف و مظاہر ذکر کئے گئے ہیں اور شیخ المشائخ نے اپنی تقریظات میں جنہیں اپنا مذہب اور اپنے مشرب کا مدار قرار دیا ہے، اگر فی الواقع وہ بدعات سید کے قبیل سے ہیں تو سوال اٹھتا ہے کہ جو لوگ شیخ المشائخ کو اپنے بزرگوں کا مرشد برحق سمجھتے ہیں، کیا وہ ان پر بھی بدعتی ہونے کا الزام عائد کر سکتے ہیں؟ ہم یقین کرتا ہوں کہ وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی یہ سوال ان کے سروں پر لٹکتی ہوئی تلوار بن جائے گا کہ کتاب و سنت کی رو سے کیا ایک بدعتی مرشد طریقت بنائے جانے کا اہل ہے۔

پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس بات پر یہاں سب کی زبانیں بند ہیں اسی بات پر برصغیر کے اہل سنت کو لائق گردن زدنی ٹھہرایا جاتا ہے۔ ہم اپنی مظلومی کی فریاد اسی کی بارگاہ میں کرتے ہیں جو سب پر غالب اور سب کا یاور ہے۔

إِنَّمَا أَشْكُرُ بَنِي وَخْرِي إِلَى اللَّهِ۔

### کتاب کے بارے میں چند معروضات

اقتباسات کے پس منظر میں جس اہم ترین نکتے کی طرف مجھے اس کتاب کے قارئین کی توجہ مبذول کرانی تھی میں اس فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اب میں اس کتاب کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے فکر انگیز مضامین، اپنے ایمان افروز مواد اور حقائق کے اظہار میں اپنے جرات مندانہ کردار کے لحاظ سے قطعاً اس لائق تھی کہ ہر مسلمان اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور عشق و ایمان کی حرارت سے اپنے دل کے احساسات کو گرم رکھنے کے لئے اسے حرز جاں بناتا لیکن ایسا نہیں ہوا اور سخت افسوس ہوا کہ ان ساری خوبیوں کے باوجود اس کتاب کو وہ ہمہ گیر شہرت حاصل نہیں ہو سکی جس کی بجائے وہ مستحق تھی۔

اس کی چند وجوہات میری نظر میں یہ ہیں،

(۱) سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کو عوام تک پہنچانے کے لئے حضرت فاضل مصنف کے معتقدین و تلامذہ کو جو اہتمام کرنا چاہیے تھا انہوں نے



کما حقہ نہیں کیا۔ خصوصیت کے ساتھ جامعہ نظامیہ کے منتقلین اور وہاں کے اساتذہ کی ذمہ داری تھی کہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق کتاب کو نئی ترتیب و تہذیب کے ساتھ آراستہ کر کے دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ ملک گیر پیمانے پر اس کی اشاعت کا اہتمام کرتے۔ تاکہ جنوبی ہند کی ایک عبقری شخصیت کے علمی نوادرات سے برصغیر کی دنیا پوری طرح روشناس ہو جاتی۔ پھر بھی ان کی مساعی سے نشر و اشاعت کا جس حد تک بھی کام ہوا وہ بہر حال قابل تحسین ہے۔ لیکن منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا جاتا تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ کتاب کے مصنف چونکہ اپنے عہد کے اساتذہ بدلے اور بیکتاے روزگار ماہر علوم و فنون تھے اس لئے ان کی تحریر میں خالص علمی زبان کا رنگ غالب ہے۔ زبان کے رخ سے کتاب کی سطح اتنی اونچی ہو گئی کہ کم علم عوام کے درمیان وہ اچھی طرح رائج نہیں ہو سکی۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ شہ ۱۳۵۰ ہجری میں جب فاضل مصنف نے تیسری بار حجاز مقدس کا سفر کیا تو تین سال تک انھیں مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی موقع پر اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی۔ جیسا کہ حضرت کی اس سوانح سے پتہ چلتا ہے جو کتاب کے اخیر میں منسلک ہے۔

اس بنیاد پر آج اس کتاب کی تصنیف کو سو برس سے زائد ہو گئے۔ سو برس پہلے کی اردو زبان چونکہ بالیدگی اور بلوغ کے مراحل سے نہیں گزر سکی تھی اس لئے اس وقت کی تحریر افہام و تفہیم کے اعتبار سے جس افلاق و تنگ دامن کی حامل ہو سکتی ہے وہ ساری باتیں اس کتاب کے اندر موجود ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب زبان کی پیمیدگی کی وجہ سے عبارت کا مفہوم ہی سمجھ میں نہ آئے تو کسی تصنیف میں حقائق و معارف کے ہزار جواہرات بکھرے ہوئے ہوں کم استعداد اور سطحی ذہن رکھنے والوں کو اس کا کیا پتہ !

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے بھی کتاب میں ابواب و فصول اور الگ الگ مباحث کی پورے طور پر نشاندہی نہیں ہے۔ علاوہ ان میں پوری کتاب میں ذیلی عنوانات کے بغیر بحث و در بحث کا طویل سلسلہ اخیر تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر مزید براں مصنف کی عادت کہ یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر تشنہ نہیں چھوڑتے۔ اور



دلیل پیش کرنے میں بھی التزام یہ ہے کہ کتابوں سے اصل عربی عبارتیں صفحے کے صفحے اپنے مدعا کے اثبات میں نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک بحث مکمل نہیں ہونے باقی کہ کسی دعوے کے ذیل میں دوسری بحث شروع ہو جاتی ہے۔  
ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب کی علمی سطح اتنی اونچی ہو گئی ہے کہ عوام کے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکی۔

ان ساری وجوہات کے باوجود کتاب کی علمی اور دینی افادیت اپنی جگہ پر ہے۔ اور سچ بوجھے تو اسی افادیت کی کشش نے میرے اندر اس جذبہ شوق کی تحریک پیدا کی کہ میں اس کتاب کے حقائق و معارف اور اس کے مفہیم و معانی کو آج کی زبان میں منتقل کروں۔ اور اس کے پچیلے ہوئے مباحث کو سمیٹ کر اتنا مختصر اور سہل کر دوں کہ عامۃ المسلمین بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔  
اسی طرح جنوبی ہند کے افق سے چمکنے والی روشنی شرق و غرب کے آفاق پر پیدہ بحر بن کر نمودار ہو۔ اور شمال و جنوب کے علمائے اہل سنت کے درمیان اجنبیت کی وہ دیوار ٹوٹ کر گر جائے جو ایک عرصہ دراز سے حائل ہے اور مسلک حق کی حمایت میں جنوبی ہند کی ایک بے مثال علمی شخصیت کے مجاہدانہ کردار سے ہندوپاک کی ساری سنی دنیا واقف ہو جائے۔

میرے یہ پاکیزہ مقاصد اگر اپنے اندر اہل حق کے لئے کوئی کشش رکھتے ہوں تو مجھے امید ہے کہ حسن التفات کے ساتھ میری ان حقیر کوششوں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔  
خصوصیت کے ساتھ میں جنوبی ہند کے اہل سنن سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ہی گھر کے ایک گنج گراں نمایہ کو ہر طالب حق کے دامن تک پہنچانے کے لئے اس دالہائے جہنم سے کام لیں گے جو حق کے علمبرداروں کا شیوہ ہے تاکہ منصب رسالت کے احترام کی بنیاد پر جنوب و شمال کے درمیان آواز کی ہم آہنگی کا ایک نیا دور شروع ہو۔



## کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم کے ناگزیر تصرفات

اس کتاب کے قارئین پر ہیں اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کی تلخیص و تسہیل میں میرے قلم نے کیا کیا تصرف کیا ہے تاکہ اس کتاب کی جدید تصنیف کا الزام میرے اوپر عام نہ ہو۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں :

۱۔ جگہ جگہ میں نے کتاب کے مباحث کے نئے نئے عنوانات قائم کر کے کتاب کے مضامین کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ متوسط ذہن کے لوگ بھی کتاب کے مضامین کو محفوظ کر سکیں۔

۲۔ بہت سے مقامات پر مصنف کے مراد کی وضاحت میں نے اپنے الفاظ میں کی ہے تاکہ شگفتہ اور سلیس زبان کے ذریعہ عبارت کا مفہوم اچھی طرح قارئین کے ذہن نشین ہو جائے۔ لیکن اکثر مقامات پر فاضل مصنف کے تاثرات خود انہی کے الفاظ میں بعینہ نقل کر دیے ہیں۔ ان میں بھی کہیں کہیں مفہوم کی وضاحت کے لئے مشکل الفاظ کو آسان لفظوں میں یا آسان پیرایہ بیان میں بدلنا پڑا ہے لیکن ایسی جگہیں بہت کم ہیں۔

(۳) حوالوں کے لئے صرف کتابوں، مصنفوں اور راویوں کے نام لکھے گئے ہیں اور آسانی کے لئے عربی کی اصل عبارتوں کے بجائے ان کے ملیں اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے لیکن قرآن کی آیات بلفظ نقل کی گئی ہیں۔ کہیں کہیں عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے زور بیان کے لئے عربی عبارتوں کے ایک آدھ جملے بھی بلفظ نقل کر دیے گئے ہیں۔

(۴) کہیں کہیں بحث کے کسی حصے پر یا مصنف کی کسی عبارت پر میں نے اپنے الفاظ میں تبصرہ کیا ہے اور تبصرہ میں ان نکتوں کو دیانت داری کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو بحث کے سیاق میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ کتاب کی ہر بحث عوام کی ذہنی سطح سے قریب ہو جائے۔

(۵) جس مقام پر علمی سطح کی کوئی مشکل بحث تھی وہاں میں نے عبارت کا خلاصہ



اپنی زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ اہل علم کے علاوہ عام قارئین بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

(۶) کتاب کی تلخیص کرتے ہوئے میں نے صرف اُن بنیادی مباحث کو سامنے رکھا ہے جو اصل مقصود ہونے کی حیثیت سے فاضل مصنف کے پیش نظر ہیں اور آسان پیرایہ بیان میں اُنہی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۷) فاضل مصنف نے جہاں جہاں بھی منکرین عظمت رسالت کے خلاف قلم اٹھایا ہے وہاں ان کے جذبہ ایمان کی ترنگ دیکھنے کے قابل ہے۔ سطر سطر زلف جاناں کی خوشبو سے معطر ہے اور لفظ لفظ عشق و وفا کی غیرت میں بھیگا ہوا ہے۔ اور اسے جذبہ عقیدت ہی کا تصرف کہیے کہ اس طرح کے مقامات پر عبارت اتنی شگفتہ اور قلم اتنا رواں ہو گیا ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔

ان سارے مقامات پر مصنف کی عبارت جوں کی توں نقل کی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ عذر کرنے کا موقع نہ ملے کہ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے جس عبارت کی توثیق فرمائی ہے اس میں رد و بدل کر دیا گیا ہے۔

(۸) کتاب کے آخر میں فتنہ و ہابیت کی تاریخ حضرت مصنف نے بڑی تفصیل سے لکھی ہے میں نے اسے سمیٹ کر مختصر کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں اس ایمان سوز فتنہ کی تاریخ اچھی طرح مستحضر ہو جائے۔

### الوزار احمدی کا سبب تالیف

شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبد الحمید صاحب کتاب کے پیش لفظ میں اس کے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”تخلیق انسان کے ساتھ ہی اس مقصد تخلیق کی تکمیل کے لئے خالق کائنات کی جانب سے رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ سید المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔“

آپ کا مرتبہ بلند و درجہ عالیہ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید میں



کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اس قبیل کا ایک گروہ ہو گا جو ظاہری حیثیت سے نہایت عبادت گزار ہوں گے کہ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر تم اپنی عبادتوں کو حقیر سمجھو گے۔ اسی سلسلہ میں حضور نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کُلُّهَا طَلَعَ قَطْعٌ يَهْ سِيْنُكَ نِكَالِيْنَ گے تو کاٹ دی جائے گی مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر نمودار ہوگی۔

چنانچہ یہ سلسلہ اُس وقت سے برابر جاری ہے۔ اہل حق ان کے مقابل ہمیشہ کمر بستہ رہے ہیں۔ انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زربین کڑی ہے۔

اس لئے حقائق آگاہ عارف باللہ مولانا محمد انوار اللہ نے مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں حضور کے اخلاق حسنہ اور آپ کے ادب و احترام سے متعلق صحابہ کرام کے طریقہ عمل کو نظم میں قلم بند فرما کر پھر بحوالہ احادیث ان کی تشریح و توضیح فرمائی۔

جسے حضرت ممدوح کے مرشد، مرشد العلماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سن کر بہت محفوظ و مسرور ہوئے اور اس کا نام انوار احمدی تجویز فرمایا۔

بلاشبہ اس میں انوار رسالت پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہیں جس سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ موجودہ دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلے گی کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔ محافظ حقیقی عالم اسلام کو اُن کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین والحمد للہ رب العالمین

اس اقتباس میں حضرت شیخ الجامعہ کے پیش لفظ کا یہ حصہ خاص طور پر قابل توجہ ہے:

”موجودہ دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے



خلافت جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ بکھلے گی تو کافی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔

اگرچہ شیخ الجامعہ نے ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میلاد و قیام، صلاۃ و سلام، اور تعظیم و عقیدت کی ساری روایات متواترہ کے خلاف آج جو طبقہ شہر شہر اور قریہ قریہ میں اہل سنت کے ساتھ برسرِ بیکار ہے، اس کا نام نہ بھی لیا جائے جب بھی ہندو پاک کی ساری اسلامی دنیا اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ انوار احمدی کے سبب تالیف کے سلسلے میں حضرت شیخ الجامعہ کے اس بیان کا ہم پر جوش خیر مقدم کرتے ہیں کہ احادیث میں جس گستاخ فرقت کی نشاندہی کی گئی ہے، اس کے خلاف جو وہ سو برس سے اہل حق جو مسلسل جہاد کرتے چلے آ رہے ہیں، انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

### اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف

اگرچہ انوار احمدی کا صفحہ صفحہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے ایک شفاف آئینہ ہے کہ اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف کیا ہے۔ لیکن حضرت موصوف کی وہ طویل نظم جو مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مرتب ہوئی اور جس کی تشریح و توضیح میں انوار احمدی لکھی گئی، وہ اختلافی مسائل میں ان کے مذہبی موقف کی ایک کھلی ہوئی دستاویز ہے۔ جیسا کہ اس طویل نظم کے وجود میں آنے کا قصہ خود فاضل مصنف نے اس کتاب کی تہمید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

”جس زمانے میں آقا کے دارین نے بنظر کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ”مدینہ طیبہ“ زاد ہا اللہ شرفاً میں منظور فرمائی تھی، وہاں چند روز ایسے گزے کہ کوئی کام درس و تدریس وغیرہ کے متعلق نہ رہا۔ چونکہ نفس ناطقہ بیکار نہیں ہے اس لئے یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلاد شریف و فضائل و معجزات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کے کتب احادیث و سیرے منتخب کر کے منظوم کئے جائیں۔“ (صفحہ ۱)



خلافت جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ بکھلے گی تو کافی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔

اگرچہ شیخ الجامعہ نے ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میلاد و قیام، صلاۃ و سلام، اور تعظیم و عقیدت کی ساری روایات متواترہ کے خلاف آج جو طبقہ شہر شہر اور قریہ قریہ میں اہل سنت کے ساتھ برسرِ بیکار ہے، اس کا نام نہ بھی لیا جائے جب بھی ہندو پاک کی ساری اسلامی دنیا اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ انوار احمدی کے سبب تالیف کے سلسلے میں حضرت شیخ الجامعہ کے اس بیان کا ہم پر جوش خیر مقدم کرتے ہیں کہ احادیث میں جس گستاخ فرقت کی نشاندہی کی گئی ہے، اس کے خلاف جو وہ سو برس سے اہل حق جو مسلسل جہاد کرتے چلے آ رہے ہیں، انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

### اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف

اگرچہ انوار احمدی کا صفحہ صفحہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے ایک شفاف آئینہ ہے کہ اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف کیا ہے۔ لیکن حضرت موصوف کی وہ طویل نظم جو مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مرتب ہوئی اور جس کی تشریح و توضیح میں انوار احمدی لکھی گئی، وہ اختلافی مسائل میں ان کے مذہبی موقف کی ایک کھلی ہوئی دستاویز ہے۔ جیسا کہ اس طویل نظم کے وجود میں آنے کا قصہ خود فاضل مصنف نے اس کتاب کی تہمید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

”جس زمانے میں آقا کے دارین نے بنظر کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منظور فرمائی تھی، وہاں چند روز ایسے گزے کہ کوئی کام درس و تدریس وغیرہ کے متعلق نہ رہا۔ چونکہ نفس ناطقہ بیکار نہیں ہے اس لئے یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلاد شریف و فضائل و معجزات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتب احادیث و سیرے منتخب کر کے منظوم کئے جائیں۔“ (صفحہ ۱)



## سیرگستانِ عقیدت

اب ذیل میں اُس مُستندِ نظم کے چند بندِ ملاحظہ فرمائیے۔ جو گلشن کے پھلنے ہوئے پھولوں کی طرح حسنِ عقیدت کی خوشبو سے مشامِ جان کو بھی معطر کرتے ہیں اور مشامِ ایمان کو بھی۔ ذکرِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتوں پر ایک وجدانی دلیل قائم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

بھڑا کفارہ گناہوں کا جو ذکرِ اولیا اور از قسمِ عبادت ہو جو ذکرِ انبیا !  
پھر ہو ذکرِ سرورِ عالم کا کیسا مرتبا جن کا ذکرِ پاک ہے گویا کہ ذکرِ کبریا  
رفعِ ذکرِ پاک ثابت ہے کلامِ اللہ سے  
مطلق ہوئے ہیں دل ذکرِ شہِ لولہ سے

اب درودِ شریف کے عنوان پر فکرِ رسا کا ایک جلوہ دیکھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

جو کہ پڑھتا ہو درودِ اس کو شفاعت ہو نصیب راضی ہو گا حق گو اہی دیں گے جاس کے حبیب  
عرشِ کائنات ملے گا ہو گا حضرت کے قریب ہو گا روزِ عید اس کو حشر کا روزِ مہیب  
اور اس کثرت سے ہو گا نور اس دن اس کے ساتھ  
جس کی وسعت میں سما سکتی ہو ساری کائنات

نعتِ شریف کی فضیلت پر اپنے جذبہٴ دل کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

نعت وہ ہے جس کا حضرت نے کیا خود اہتمام حق تعالیٰ نے لیا جملہ نبیوں سے یہ کام  
ہو جو محروم اس سے ہے ایمان اُس کا ناقص اور جو دشمن ہو تو اُس کے کفر میں پھر کیا کلام  
کی بذاتِ خود خدا نے نعت جب محبوب کی  
پھر خدا دل سے کریں کیونکہ نہ سب محبوب کی

تحقیق نورِ مصطفیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اچھوتا پیرایہ بیان اختیار کیا ہے وہ دلوں کو چھو لیتا ہے :



یعنی جب خالق نے چاہا غیب کا اظہار ہو اور عبودیت کا ساری خلق میں اقرار ہو  
فیض بخش کن فکاں گنجینہ اسرار ہو گنج تار یک عدم جولا ننگ انوار ہو

نور سے اپنے کیا اک نور پیدا ہے مثال

اور محمد اسس کا رکھنا نام حمد الایزال

ظہور نور قدسی کی منظر کشی بہت سے لوگوں نے کی ہے لیکن حضرت ممدوح کا  
پیرایہ بیان کس غضب کا ہے کہ آنکھیں فرط اثر سے بھیگ جاتی ہیں اور دل مسرتوں کے  
تلاطم میں ڈوبنے لگتا ہے۔ فرماتے ہیں:

پس وہ نور پاک رب العالمین پیدا ہوئے مبدأ کو نین و ختم المرسلین پیدا ہوئے  
جان عالم قبلہ اہل یقین پیدا ہوئے شکر ایزد رحمتہ للعالمین پیدا ہوئے

دھوم تھی عالم میں غور شنید کرم طالع ہوا

ہاں کریں تعظیم اب نور قدم طالع ہوا

ساری دنیا کے خوش عقیدہ مسلمان ولادت با سعادت کا دن نہایت محبت و  
احترام اور ذوق و شوق کے ساتھ مناتے ہیں۔ لیکن ایک طبقہ آتش غیظ میں سلگتا رہتا  
ہے۔ عید میلاد النبی کے جواز پر حضرت ممدوح نے ایسی اچھوتی دلیل پیش کی ہے کہ اس بند  
کو پڑھئے اور سردھنئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

سامعین سے ہے توقع غور فرمائیں ذرا تحاذیح اللہ کا فرحت فرا جو واقعہ  
وہ معین روز روز عید ٹھہرایا گیا نہایت کے سب رسوم اس روز ہوتے ہیں دا

روز میلاد نبی جس میں بھٹا وہ کچھ اہتمام

ہونہ کیونکر واجب تعظیم پیش حق مدام

میلاد کے ساتھ قیام کا رشتہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بچوں کے ساتھ خوشبو کا۔  
عرب و عجم کے سارے مومنین تانین میلاد و قیام کی معنوی لذتوں سے عشق و عقیدت کا  
نور اور دل کا سرور حاصل کرتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ دونوں چیزیں کالے  
کی طرح چھپتی ہیں۔ حضرت ممدوح نے اپنے اس بند میں میلاد و قیام کے جواز پر نہایت مسکت  
اور تشفی بخش دلیل پیش کی ہے۔ منکرین بھی تعصب کی عینک اتار کر اگر اس بند کو پڑھیں تو  
کچھ بعید نہیں کہ وہ بھی ایمان لے آئیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:



مجلس میلاد بھی حاکی ہے وقت خاص کی جس میں حسب حکم خالق خلق نے تعظیم کی  
پھر بھلا تعظیم وقت ذکر میلاد نبی ہو خلافت مرضی حق یہ نہیں ممکن کبھی

حق تعالیٰ تو کر اے سجدہ با صد عز و شان

اور کھڑا ہونا نہ ہو جائز یہ کیسا ہے گمان

ولادت پاک کی خوشی میں ابوہب جیسے کافر لعین کو اپنی لونڈی آزاد کرنے پر

دوزخ میں اپنی پیاس بجھانے کی جو آسانی میسر آئی اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت  
مدوح جن میلاد کی حایت میں ایک دلیل پیش کرتے ہیں :

یہ آخر اللہ اکبر مجلس میلاد کا کفر و دوزخ میں ہو جس کی آبیاری برما

پھر جو اہل بھی ہو ساتھ اس جن کے سوچو ذرا مہفتوں کی طرح کیا محروم وہ رہ جائے گا

یہ نہیں ممکن کہ رنج و شادمانی ایک ہوں

یہ تو ایسا ہے کہ جیسے آگ پانی ایک ہوں

اُس گستاخ فرقہ کے پیدا کردہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت مصطفیٰ کا بھی ہے۔

وہ حضور کو بالکل اپنی طرح بشر مانتا ہے اور اس رشتے سے وہ حضور کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا

ہے۔ حضرت فاضل مدوح نے اپنے اس بند میں اس مسئلے کو بھی صاف کر دیا ہے۔ فرمان الہی

کے بموجب حضور نے کفار مکہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں لیکن

جب مومنین صحابہ سے اس مسئلے میں خطاب کا موقع آیا تو ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری طرح

نہیں ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنی طرح بشر کہنے کی جسارت کفار ہی کر سکتے ہیں۔ مومنین

کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ حضور کو اپنی طرح بشر کہیں۔ قدرت و اختیار کے باوجود

طائف میں کفار کے ظلم و جبر پر حضور کے صبر و ضبط کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مدوح

ارشاد فرماتے ہیں :

باوجود اس کے اٹھائے جبکہ صدے اس قد تب کیا دعویٰ کہ ہوں میں بھی تمہیں سا اک بشر

ور نہ جو سجود اک عالم کا ہوئے سر بسر اہل دانش کس طرح رکھتے وہ دعویٰ معتبر

کس مصیبت سے چھپایا راز کو اختیار سے

پھر بھی کسنت و شکست فرما دیا اختیار سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے مسئلے میں بھی اُس گستاخ فرقے نے جن



شفادوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ مسلمانوں کی دل آزاری کا بدترین نمونہ ہے۔ حضرت فاضل مدوح نے اپنے اس بند میں علم غیب رسول کے مسئلے کو جس دل نشیں پیرائے میں واضح کیا ہے وہ ان کے تبحر علمی اور قوت استدلال کی بہترین مثال ہے۔ اس مسئلے میں صحابہ کرام کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

جتنے تھے اصحاب سب یہ جانتے تھے بالیقین کہ ہیں واقف موت ہر اک بشر کے شاہ دیں  
بلکہ تاخیر اجل چاہیں تو کچھ دقت نہیں جس کی جو مرنے کی جا ٹھہراتے وہ مرنے والے ہیں  
اہل خلد و نار کا رکھا تھا دفتر ہاتھ میں  
گویا تھا ہر شخص کا نقش مقدر ہاتھ میں

اسی عنوان پر حضرت فاضل مدوح کا ایک اور بند ملاحظہ فرمائیں۔ کتنے آسان پیرائے میں کمالات نبوت سے متعلق ایک بنیادی عقیدے کو مسلمانوں کے دلوں میں اتار دیا ہے۔  
تحریر فرماتے ہیں :-

تھا نظر سے شاہ دیں کے قدرت حق کا ظہور یعنی تھا پیش نظر یک طور ہر نزدیک و دور  
دیکھتے تھے مقتدیوں کے خواطر کو حضور ایک ساں تھی چشم نورانی کو تاریکی و نور  
دیکھتے تھے واقف روز قیامت کے عیاں  
جس طرح ہیں دائما احوال امت کے عیاں

اسی مسئلے پر حضرت فاضل مدوح کا ایک اور استدلال ملاحظہ فرمائیں۔ دلیل کی اساس بالکل وہی ہے جو اصلی حضرت فاضل بریلوی کے اس شعر میں جلوہ گر ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا  
جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کرداروں درود  
فکرو کی ہم آہنگی پر حیرت کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایمان کا نصب العین دونوں کے  
یہاں مشترک ہے۔ اب پوری توجہ کے ساتھ حضرت مدوح کا یہ بند پڑھئے۔

حضرت موسیٰ نے جب دیکھی تجلی طور پر گو نہ دیکھا حق کو پھر بھی بڑھ گئی ایسی نظر  
کہ شب یلدا میں دس فرسخ پہ چوٹی ہو اگر دیکھ لیتے، طور کی رویت کا تھا ایسا اثر  
پھر جو خود اللہ کو حضرت نے دیکھا بار بار  
کوئی شے ہے جو حضرت پر نہ ہوتی آشکار



حضور کے قدرت و اختیار کے مسئلے میں بھی اس گستاخ فرقے نے مومنین کے جذبات عقیدت پر خوں ریز حملے کئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مدینے کے منافقین کا عناد و دشمنی میں ملا ہوا ہے۔ حضور کی ہر عظمت سے انکار اور ہر شیعہ تعظیم و ادب سے دل میں چھین ! دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی بد بخت قوم ہوگی جو کسی کو اپنا پیغمبر بھی مانتی ہو اور اس کی طرف سے سینے میں جلن بھی رکھتی ہو۔ اس کا کلمہ بھی پڑھتی ہو اور اسی کی تنقیص میں دن رات غلطاں بھی رہتی ہو۔

کتاب و سنت کے اور اہل جس رسول کو نبی کے اختیارات و کمالات کی بھرپور شہادت دیتے ہوں اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اُسے دل کی کدورت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اختیارات مصطفیٰ پر حضرت مہدیؑ نے صرف ایک بند میں فکری گراہیوں کا سارا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اور دلیل کی قوتوں سے اس عقیدے کو اتنا مسلح کر دیا ہے کہ کسی بھی حملہ آور کو پوری طرح پسپا کیا جاسکتا ہے۔ اب پورے نشاط قلب کے ساتھ یہ بند پڑھئے :

دست کی توصیف میں یہاں تصریح ہے زبان کیونکہ دست عقل خود پہنچا نہیں اب تک ہاں کل خزانوں کی انہی کے ہاتھوں میں ہیں سب نمایاں اور انہی ہاتھوں سے ہوگا فتح ابواب خباں ہو تصرف کیوں نہ پھر اُس ہاتھ کا اگوان ہیں جس کو خالق نے یٰٰذا اللہ کہہ دیا قرآن میں

اس طویل نظم میں کل ۵۸ بند ہیں لیکن جتنے بند یہاں نقل کئے گئے ہیں اُن سے اختلافی مسائل میں حضرت فاضل مصنف کا مسلک حق مہر نمرود کی طرح آشکار ہو جاتا ہے اب اخیر میں اختصار کے ساتھ ہم حضرت موصوف کی سوانح حیات اس کتاب کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

### سوانح حیات حضرت فاضل مصنف

حضرت کے سوانح نگار شاہ ابوالخیر کنج نشین کی روایت کے مطابق حضرت فاضل مصنف کی ولادت باسعادت مہر ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ میں ضلع نانڈیڑ میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آثار حمل ظاہر ہوئے تو خواب میں حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم



حضور کے قدرت و اختیار کے مسئلے میں بھی اس گستاخ فرقے نے مومنین کے جذباتِ عقیدت پر خوں ریز حملے کئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مدینے کے منافقین کا عناد و دشمنی میں ملا ہوا ہے۔ حضور کی ہر عظمت سے انکار اور ہر شیعہ تعظیم و ادب سے دل میں چھین ! دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی بد بخت قوم ہوگی جو کسی کو اپنا پیغمبر بھی مانتی ہو اور اس کی طرف سے سینے میں جلن بھی رکھتی ہو۔ اس کا کلمہ بھی پڑھتی ہو اور اسی کی تنقیص میں دن رات غلطاں بھی رہتی ہو۔

کتاب و سنت کے اور اہل جس رسول کو نبی کے اختیارات و کمالات کی بھرپور شہادت دیتے ہوں اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اُسے دل کی کدورت کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ اختیارات مصطفیٰ پر حضرت مہدیؑ نے صرف ایک بند میں فکری گراہیوں کا سارا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اور دلیل کی قوتوں سے اس عقیدے کو اتنا مسلح کر دیا ہے کہ کسی بھی حملہ آور کو پوری طرح پسپا کیا جاسکتا ہے۔ اب پورے نشاطِ قلب کے ساتھ یہ بند پڑھئے :

دست کی توصیف میں یہاں تصریح ہے زبان کیونکہ دست عقل خود پہنچا نہیں اب تک ہاں کل خزانوں کی انہی کے ہاتھوں میں ہیں سب نمایاں اور انہی ہاتھوں سے ہوگا فتح ابوابِ خباں ہو تصرف کیوں نہ پھر اُس ہاتھ کا اگوان ہیں جس کو خالق نے ید اللہ کہہ دیا قرآن میں

اس طویل نظم میں کل ۵۸ بند ہیں لیکن جتنے بند یہاں نقل کئے گئے ہیں اُن سے اختلافی مسائل میں حضرت فاضل مصنف کا مسلک حق مہرِ نمرود کی طرح آشکار ہو جاتا ہے اب اخیر میں اختصار کے ساتھ ہم حضرت موصوف کی سوانح حیات اس کتاب کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

### سوانح حیات حضرت فاضل مصنف

حضرت کے سوانح نگار شاہ ابوالخیر کنج نشین کی روایت کے مطابق حضرت فاضل مصنف کی ولادت باسعادت مہر ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ میں ضلع نانڈیڑ میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آثارِ حمل ظاہر ہوئے تو خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم



کو تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت فاضل مصنف کا سلسلہ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے اور والدہ محترمہ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی سے جا ملتا ہے۔ ان کے والد بزرگوار ابو محمد شجاع الدین بڑے متبع سنت اور عالم باعمل بزرگ تھے۔

حضرت شیخ الاسلام کی ابتدائی تعلیم والد محترم سے ہوئی۔ سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کے لئے آپ کو حافظ امجد علی نابینا کے سپرد کیا گیا۔ چار سال میں کلام مجید حفظ کر لیا۔ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے آپ مولوی فیاض الدین اور رنگ آبادی کے حوالے کئے گئے۔ تفسیر حدیث، فقہ، ادب اور معقولات کی تکمیل فرنگی محل لکھنؤ میں ہوئی۔ ۱۲۸۴ھ میں اپنے وقت کے مشہور عالم دین مولانا حاجی امیر الدین کی صاحبزادی کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ ۱۳۸۵ھ میں محکمہ مالگذا رسی میں پچھتر روپے ماہوار خلاصہ نویس کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ ایک بار سودی کاروبار کی مثل خلاصہ لکھنے کے لئے آئے۔ اس کے پاس آئی جس کی وجہ سے اُسی دن آپ نے اس ناجائز ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی۔

جامعہ نظامیہ کی بنیاد ترک ملازمت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ علمی تبحر کی شہرت سن کر دور دراز مقامات سے جوق در جوق تشنگان علم اس چشمہ فیض کے کنارے جمع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ جامعہ نظامیہ کے نام سے ان کے لئے باضابطہ ایک معیاری درس گاہ کی بنیاد رکھنی پڑی۔ ۱۲۹۲ھ میں اس عظیم درس گاہ کی بنیاد پڑی جس کا ڈھکا عرصہ دراز تک برصغیر کے قول و عرض میں بختا رہا۔

سلاطین دکن کی تعلیم و تربیت اپنی علمی شہرت اور بے مثال تدریسی صلاحیت کی وجہ سے ۱۲۹۵ھ میں سلاطین دکن کے استاذ کی حیثیت سے آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ خاندان آصفیہ کا سب سے پہلا طالب علم جس نے آپ کے سامنے زانوئے ادب نہہ کیا اس کا نام آصف سادس میر محبوب علی خاں تھا۔ شہزادہ میں آصف سابع میر عثمان علی خاں بھی آپ کے حلقہ درس میں داخل کئے گئے اور مسلسل بائیس سال تک زیر تعلیم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ میر عثمان علی خاں کا دین اور دینی شعائر کے ساتھ گہرا لگاؤ آپ ہی کے حسن تربیت کا ثمرہ تھا۔



تعلیم سلوک و ربلا و اسلامیہ کا سفر مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے خلافت تھی اس لئے انھوں نے سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ بعد فراغ تعلیم ظاہری و باطنی انھوں نے تین بار بلا و اسلامیہ کا سفر کیا۔ پہلی بار ۱۲۹۴ھ میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے اس وقت شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی وہاں موجود تھے۔ ان سے حضرت شیخ الاسلام نے تمام سلسلوں میں تجدید بیعت کی۔ اسی موقع پر بغیر کسی طلب کے حضرت حاجی صاحب نے شیخ الاسلام کو خلعت خلافت سے سرفراز کیا۔

۱۳۰۰ھ میں حجاز کا دوسرا سفر اور ۱۳۰۵ھ میں تیسرا سفر کیا اور تین سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ یہاں تمام وقت حرم محترم کے کتب خانہ میں گزرتا۔ آپ کی مایہ ناز تصنیف انوار احمدی اسی زمانے میں یہاں لکھی گئی۔ اسی دور ان قیام میں آپ نے ایک بہت بڑا علمی اور دینی کام یہ بھی کیا کہ یہاں کے قدیم کتب خانوں سے تفسیر حدیث اور فقہ کی نادر الوجود کتابوں کی نقول حاصل کیں۔ جن میں علی متقی کی کنز العمال جامع مسانید امام اعظم، جوہر النقی علی سنن بیہقی، اور احادیث قدسیہ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

سوانح نگار کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ کے دائرۃ المعارف کا قیام دور ان قیام میں تین بار خواب میں وہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضور نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ حیدر آباد واپس جاؤ اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دو۔ جب اپنا خواب حضرت موصوف نے حاجی صاحب کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے واپسی کا حکم دے دیا۔

حیدر آباد واپس آنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے ۱۳۰۸ھ میں دو نہایت اہم اداروں کی بنیاد رکھی ایک کتب خانہ اصفیہ اور دوسرا مجلس دائرۃ المعارف۔ آخر الذکر ادارے نے نادر الوجود کتابوں کی طباعت و اشاعت کی ایسی گر نقد خدمت انجام دی کہ ایک عظیم مرکز اشاعت علم و فن کی حیثیت سے مجلس دائرۃ المعارف کو علمی دنیا میں ایک



نہایت بلند مقام حاصل ہو گیا۔ اسی ادارہ سے وہ سارے تعلیمی نسخے زیور طبع سے آراستہ ہوئے جن کی نقلیں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں حاصل کی گئی تھیں۔

**شیخ الاسلام کی تصنیفات** ایک شہرہ آفاق اُستاد اور ایک متبحر عالم دین ہونے کے علاوہ حضرت موصوف ایک پختہ کار صاحب قلم اور ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کے شعری اور ادبی کمال کا اندازہ اُس طویل نظم کے چند بندوں سے اس کتاب کے قارئین نے کر لیا ہوگا جو پچھلے اوراق میں نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت کی گرانقدر تصنیفات میں انوار احمدی، مقاصد الاسلام جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ حقیقۃ الفقہ، افادۃ الافہام یہ دونوں کتابیں دودو حصوں پر مشتمل ہیں۔ کتاب الفضل، الکلام المرفوع، انوار اللہ الودود فی مسئلہ وحدۃ الوجود خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

**وصال شریف** ترستھ سال کی عمر میں حضرت شیخ الاسلام نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ جامعہ نظامیہ کے احاطے میں انھیں سپرد خاک کیا گیا جو آج تک زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

**حضرت کے معمولات** سوانح نگار نے حضرت کے معمولات کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے ایک نہایت مرتاض بزرگ تھے۔ اور سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے۔ دن کا وقت جامعہ نظامیہ میں درس و تدریس میں گزرتا جسے وہ حبۃ اللہ انجام دیا کرتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد فتوحات کلیہ کا درس دیتے۔ راوی کے بیان کے مطابق فتوحات کے درس میں اکثر انوار و تجلیات کا نزول ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے ارواح قدسیہ کی تشریف آوری کا واقعہ بیان کیا ہے۔

ہنجد کی نماز سے پہلے تصنیف و تالیف کا کام کرتے۔ ہنجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد رات کے پچھلے پہر تک آرام کرتے اور پھر نماز فجر کے بعد جامعہ نظامیہ میں تشریف لے جاتے اور تدریس و افتار اور دعوت و ارشاد کی خدمت انجام دیتے۔ یہی ان کے شب و روز کے معمولات تھے جسے زندگی کے آخری لمحے تک انھوں نے برقرار رکھا۔



اپنے پیش لفظ کی آخری سطریں لکھتے ہوئے میں صمیم قلب کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ نئی ترتیب و تہذیب کے ساتھ اس کتاب مستطاب کی اشاعت سے میرا جو دینی مدعا ہے خدا کے قدیر کسے پورا فرمائے اور میری اس خدمت کو قبول کرے۔ اور حضرت شیخ کی اس گراں نمایہ کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر اپنی ہدایت و توفیق کا دروازہ کھولے جو فکری گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں مکتبہ جام نور نئی دہلی کے منتظمین کا شکریہ نہ ادا کروں جنہوں نے دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ اس قابل فخر کتاب کی اشاعت کا اعزاز حاصل کیا ہے۔

آخر میں اہل علم حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ کتاب کی نئی ترتیب و تہذیب میں اگر انہیں کہیں میرے قلم کی کوئی فروگزاشت نظر آئے تو اسے اپنے دامن عفو میں جگہ دیں گے۔

اب آپ ورق الٹے اور اصل کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

وما توفیقی الا باللہ وهو اس حمد الراحمین۔ وصلى الله على  
خير خلقه ونور عرشه سيدنا محمد رسول الله وعلى آله وصحبه  
اجمعين۔

بندہ گنہگار طالب رحمت غفار

ارشاد القادری

دفتر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء

نئی دہلی ۱۱

۲۴ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۳ اگست ۱۹۸۹ء





أَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى  
سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ ۝ وَعَلَىٰ صَحْبِهِ الْمُرْسَلِينَ ۝ وَآلِهِ  
الْمُهْتَدِينَ ۝ وَحُزْبِهِ الْجَمْعِينَ ۝

## نعت گوئی بھی زبان و قلم کا ایک جہاد ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے تین حدیثیں نقل کی ہیں۔

### پہلی حدیث

مشہور صحابی رسول حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن حضور انور  
صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ سوال پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعر و شاعری کی برائی میں  
یہ آیت نازل فرمائی ہے أَلَمْ يَنْبَغِهِمْ الْغَاوُونَ ۝ شعراء وہ ہیں جن کی گمراہ  
لوگ پیروی کرتے ہیں۔ ان کے سوال کا مدعا یہ تھا کہ اب ایسی صورت میں شعر کہنا کیونکر  
رہا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا إِنَّ الْمُسْلِمِينَ يُجَاهِدُونَ بِسَبِّهِمْ  
وَبِلِسَانِهِمْ ایمان والے تلوار سے بھی جہاد کرتے ہیں اور زبان سے بھی۔ اس کے بعد  
ارشاد فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ کفار کے  
مقابلے میں تمہارا شعر پڑھنا تیرا اندام کی طرح ہے۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی  
مدافعت میں تم جو اشعار کہتے ہو وہ تیر کی طرح کفار کے سینوں کو گھائل کرتے ہیں۔  
(مشکوٰۃ المصابیح)



### دوسری حدیث

مشہور محدث حضرت ابن عبد البر نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نعت گوئی کے بارے میں کیا حکم ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی طرف سے مدافعت کے لئے تلوار سے بھی کام لیتا ہے اور زبان سے بھی۔ (استیعاب)

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں مصنف کتاب کا یہ تبصرہ حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور ان مخالفین کے جوابات میں جو تنقیص شان کرتے ہیں اشعار کا لکھنا سانی جہاد ہے جو تیر کی طرح کام کرتا ہے۔ (اوار احمد ص ۳)

### تیسری حدیث

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ عرب کے مشہور شاعر نابغہ جعدی نے حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چند اشعار پڑھے حضور نے خوش ہو کر انہیں یہ دعا دی۔

لَا يَفْضُضُ اللَّهُ فَاثًا      اللَّهُ تَهَارَةً مِنْهُ كِي مِهْرَنَه  
أَمْحَى لَا يَسْهَطُ اللَّهُ أَسْنَانًا      توڑے یعنی تہارے دانت نہ گریں  
(بیہقی)      اور منہ کی رونق نہ بگڑے۔

اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت نابغہ کی عمر سو برس کی ہو گئی تھی لیکن ان کے گل کے گل دانت صحیح و سالم تھے اور اگلے کی طرح سفید تھے۔ راویان حدیث نے یہاں تک اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ :



إِذَا سَقَطَ لَهُ سِنٌّ بَنَتْ  
لَهُ آخِرُى  
جب ان کا کوئی دانت گر جاتا تو  
بڑھاپے میں بھی اس کی جگہ نیا  
دانت نکل آتا۔ (دارقطنی)

یہ سرتا سر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تھی کہ نعت پڑھنے والے کے منہ  
کی خوبصورتی زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی۔

### حضور ہی کے وجود سے سارے عالم کا وجود ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے احادیث کے چہستانوں سے جو گلہائے رنگارنگ  
جمع کئے ہیں ان کی خوشبو سے دنیا ہمیشہ معطر رہے گی۔ ذیل میں قارئین کرام حدیثوں  
کی مہکتی ہوئی قطاریں ملاحظہ فرمائیں۔

### پہلی حدیث

حاکم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ  
اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر  
ایمان لاؤ اور اپنی امت کو بھی حکم دو کہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ جنت و دوزخ کو، جب میں  
نے پانی پر عرش کو بچھایا تو وہ بنے لگا۔ جب میں نے اس پر لَ إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ  
رَسُولُ اللَّهِ لکھ دیا تو وہ ساکن ہو گیا۔

اور ابن سبع نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے  
پیائے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

مِنْ أَجْلِكَ اسْطُجَّ الْبَطْلُ  
وَأَمَّوَجُ الْهَوَجِ وَأَرْفَعُ  
السَّمَاءَ وَاجْعَلُ النُّوَابِ  
وَالْعُقَابِ -  
آپ ہی کی وجہ سے میں نے  
زمین کو بچھایا اور ہراتے ہوئے  
دریا پیدا کئے اور آسمانوں کو بلند  
کیا اور عذاب و ثواب کے ضابطے

مقرر کئے۔

(ترمذی علی المواہب)



### دوسری حدیث

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن سیدنا جبریل علیہ السلام حضور پاک صاحب لولاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جو میرے نزدیک آپ سے زیادہ بزرگ ہو۔ اور میں نے دنیا اور دنیا داروں کو صورت اس لئے پیدا کیا کہ ان پر میں ظاہر کروں کہ میرے نزدیک آپ کا مرتبہ اور آپ کی بزرگی کیا ہے۔ اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (المواہب اللدنیہ)

ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔  
ایک ایک لفظ محبت و عقیدت کی خوشبو سے معطر ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

حدیث سابق میں جو مذکور ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عالم پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفرینش خلق کا مقصود یہ ہے کہ حضرت کا مرتبہ اور عظمت ظاہر ہو۔ پھر جب خداوند قدوس نے صرف اظہارِ فضیلت کے لئے اس قدر اہتمام کیا ہو تو ضروری ہے کہ تمام عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت میں بہ دل و جان مصروف ہو۔ کیونکہ بادشاہ اگر کوئی عمدہ اپنی مرغوب چیز کسی شخص کو بتلائے اور وہ شخص اس چیز کی تعریف کرے تو غیرت پادشاہی اس امر کی مقتضی ہوگی کہ اس بے ادبی کی پاداش میں اسے سخت سزا دی جائے اور ایسا شخص سولے ستر داؤد سرکش کے دوسرا نہ ہوگا۔ اسی وجہ سے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سولے سرکش جن و انس کے زمین و آسمان کی ہر مخلوق مجھے جانتی پہچانتی ہے۔ (کتاب الشفا: بیہقی) (انوار احمدی ص ۱۱)



### تیسری حدیث

ثعلبہ ابن مالک سے ابو نعیم نے اور جابر ابن عبد اللہ سے احمد، دارمی، ہزار اور بیہقی نے، اور عبد اللہ ابن جعفر سے مسلم اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ مدینہ کے کسی باغ میں ایک اونٹ تھا جو دماغی خلل میں مبتلا ہو گیا تھا اس کی دہشت سے لوگ اس باغ میں نہیں جاتے تھے۔ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تشریف لے گئے۔ جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اونٹ کو آواز دی وہ دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے اپنا ہونٹ زمین پر رکھ دیا۔ حضور نے اسے مہار لگا دی اور ارشاد فرمایا کہ نافرمان جن وانس کے علاوہ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

### فائدہ

مصنف کتاب نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ حضور ہی کے لئے سارا عالم پیدا کیا گیا ہے اس لئے عالم کی ہر چیز حضور کو جانتی ہے۔ بلکہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے کفار بھی حضور کو جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نبی برحق ہیں مگر مانتے نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے یَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ یعنی کفار کو حضور کے نبی ہونے کا علم بالکل ایسا ہی جیسے اپنی اولاد کے بارے میں انھیں علم ہے کہ وہ ان کی اولاد ہیں۔

### چوتھی حدیث

مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنت سے نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ عرش کے ستونوں پر اور جنت کے در و دیوار پر ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ یہ محمد کون ہیں جن کا نام میرے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے ارشاد ہوا کہ هَذَا وَلَدُكَ كَذَلِكَ كَمَا خَلَقْتَنِي۔ یہ میرے فرزند ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے نہ پیدا نہ کرتا۔ یہ سننے ہی انھوں نے التجا کی۔ يَا سَابِغَ بَحْرٍ مِثْقَلِ هَذَا الْمَوْكَبِ



اِسْحٰمَ هٰذَا الْوَالِدَ " اے میرے پروردگار اس فرزند علیل کے طفیل میں اس کے باپ پر رحم فرما۔ ارشاد ہوا۔ اے آدم! اس کے وسیلہ سے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے لئے بھی تم دعا کرتے تو میں تمہاری دعا ضرور قبول کرتا۔

### پانچویں حدیث

امام سیوطی نے تفسیر درمنثور میں، طبرانی نے معجم صغیر میں حاکم اور ابونعیم نے دلائل میں ابن جوزی نے کتاب الوفا میں اور ابن عساکر نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انھوں نے عرش الہی کی طرف سر اٹھا کر دعا کی کہ الہی بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف کر دے، ارشاد ہوا کہ محمد کو تم نے کیونکر پہچانا، عرض کیا کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا کہ اس پر کَلَامُ اللّٰهِ اَللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہے اس سے میں نے جانا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اس سے زیادہ مقرب اور صاحب مرتبت اور کوئی تیرے دربار میں نہیں ہے۔ ارشاد ہوا۔ اے آدم! وہ تیری اولاد میں سب سے آخری نبی ہوں گے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو مجھے نہ پیدا کرتا۔

### ایک شبہ کا ازالہ

ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جنت سے نکلنے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ جبکہ اس سے پہلے وال حدیث میں ہے کہ انھوں نے خدا سے خود دریافت کیا کہ محمد کون ہیں۔ یہ سوال بتا رہا ہے کہ اس وقت تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف نہیں تھے۔ دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے اصولی طور پر ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہر سوال کا منشا ناواقضیت نہیں ہوتا۔ بعض مصلحتوں کی وجہ سے کبھی جانتے ہوئے بھی آدمی سوال کرتا ہے۔ اور وہ مصلحت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کا علم ان کے اپنے قیاس پر مبنی تھا۔ اس لئے سوال سے حضرت آدم علیہ السلام کا مدعا یہ تھا کہ خود خداوند قدوس کے



کے ذریعہ انہیں صراحت کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اس کے دربار میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کیا ہے ؟

## حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے

اس موضوع پر حضرت مصنف نے اپنے علم و فضل کے جو گل و بوٹے کھلائے ہیں وہ عشاق کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے قلب و روح کی فرحت و سرور کا بہترین سامان ہیں۔ ایمان و عقیدت کی آنکھ میسر آئے تو ذیل میں رفعت ذکر مصطفیٰ کے بصیرت افروز دلائل کا مطالعہ کیجئے۔

### پہلی دلیل

قاضی عیاض کی کتاب الشفا، صحیح ابن حبان، اور مسند ابی یعلیٰ میں حضرت ابو سعید خدری سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن جبریل امین میری خدمت میں حاضر ہوئے اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ آپ کا ذکر میں نے اس طرح بلند کیا ہے کہ جس وقت میں ذکر کیا جاتا ہوں آپ بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

مصنف کتاب اس حدیث کے ذیل میں یہ ایمان افروز نکتہ سپرد قلم فرماتے ہیں:

ابن عطاء کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایمان کا اتمام و اکمال اسی بات پر مقرر کیا گیا ہے کہ آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو اور یہ کہ آپ کا ذکر میرا ہی ذکر ہے۔ (انوار احمدی ص ۱۹)

### دوسری دلیل

آیت کریمہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَتَذَكَّرْنَ الْقُلُوبُ "بغور سنو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں



سکون ملتا ہے کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں "ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، اور ابوالشیخ کے حوالہ سے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ کے ذکر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کا ذکر مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذکر محمد عین ذکر الہی ہے اور ذکر صحابہ عین ذکر محمد ہے کہ محمد کو اللہ نے سنوارا ہے اور صحابہ کو محمد نے آراستہ کیا۔

### فائدہ

مصنف کتاب اسی مقام پر ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت مجاہد نے بنی کثر اللہ کی تفسیر میں بمعہند و اصحابہ جو کہا ہے ہر چند یہ ظاہر آیت شریفہ کا مناسب نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ ایک محدث جلیل القدر نے تفسیر کی ہے اس لئے اسے حسن ظن کے ساتھ مان لینا چاہیے کہ یہ حضرات تفسیر بالرائی نہیں کرتے۔ یقیناً انھیں سماعتی طور پر اس تفسیر کی روایت پہنچی ہوگی۔  
انوار احمدی ص ۲

### تیسری دلیل

جامع صغیر اور اس کی شرح سراج المفید میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیوں کا تذکرہ ایک طرح کی عبادت ہے اور اولیاء اللہ کا ذکر گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور موت کا ذکر صدقہ ہے اور قبر کا ذکر جنت سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔

### فائدہ

حضرت مصنف اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

جب انبیاء علیہم السلام اور سائر اولیاء اللہ کا ذکر عبادت اور کفارہ گناہ ٹھہر تو سلطان الانبیاء والاولیاء علیہم السلام کا ذکر



کس درجہ کی عبادت اور گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ یقین ہے کہ اس ذکر پاک میں کچھ خصوصیت ایسی ضرور ہوگی جو دوسرے میں ہرگز نہ ہو سکے۔  
الوار احمدی ص ۱

### چوتھی دلیل

مواہب لدنیہ میں یہ حدیث ثقہ راویوں سے نقل کی گئی ہے کہ قیامت کے دن فطران کی ایک جماعت دوزخ میں ڈالی جائے گی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ان کے ذہن سے اللہ تعالیٰ بھلا دے گا۔ یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب انہیں یاد دلائیں گے تو وہ حضور پاک صاحب لولاک کا ذکر کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔  
فَتَخَيَّمُ النَّارُ وَتَنْزِدُ سَيِّئَاتُهَا  
حضور کے ذکر شریف کی برکت سے آگ  
مِنْهُمْ۔  
بچھ جائے گی اور عذاب ہٹ جائے گا۔  
مصنف کتاب اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ذکر محمد ذکر الہی نہ ہوتا تو ذکر محمد سے اللہ کا عذاب ہرگز نہ ملتا۔

### پانچویں دلیل

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زر قانی میں حافظ ابو طاہر سلفی اور ابن بکیر کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو بندے قیامت کے دن اللہ کے حضور میں کھڑے کئے جائیں گے۔ حکم ہوگا انہیں جنت میں داخل کرو۔ وہ عرض کریں گے اے پروردگار! کس سبب سے ہم جنت کے مستحق ٹھہرائے گئے حالانکہ اپنی زندگی میں ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا تھا جس کا بدلہ جنت ہو۔ ارشاد ہوگا۔  
ادْخِلْهُ الْجَنَّةَ فَإِنَّ الْيَتَّمَ عَلَى  
نَفْسِي أَنْ لَا يَدْخُلَ النَّارَ  
مَنْ اسْمُهُ أَحْمَدٌ وَ  
لَا مُحَمَّدٌ۔  
تم دونوں جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اس لئے کہ میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔



### فائدہ کا

اس مقام پر حضرت مصنف ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے ایمان و عقیدت کی آنکھیں  
یں ٹھنڈی کرتے ہیں۔

اگر کوئی شبہ کرے کہ بعض مذاہدہ اور بد عقیدہ لوگ بھی نام مبارک  
کے ساتھ وابستہ ہیں تو کیا دخول جنت کا یہ پروانہ ان کے لئے بھی  
ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے سارے فضائل بلکہ جملہ اعمال حسنہ  
بغیر ایمان کے کچھ کام نہیں آتے۔ کیونکہ سب سے مقدم خدا و رسول پر  
صحیح ایمان اور ان کی محبت ہے۔ جب یہی معاملہ ٹھیک نہ ہو تو ایسے  
لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہو گا۔ اس حدیث سے یہ بیان  
کرنا مقصود ہے کہ خدا کے ذوالجلال کے دربار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ  
وسلم اتنے معظم و محترم ہیں کہ حضرت کے نام کی توہین بھی حق تعالیٰ کو  
گوارا نہیں۔ (انوار احمدی ص ۲۳)

### چھٹی دلیل

محدث کبیر حضرت ابن عباس کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے  
ہیں کہ راوی حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن  
حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت شید علیہ السلام کو اپنے سامنے بٹھا کر یہ  
عنایت فرمائی کہ میرے بعد تم میرے خلیفہ ہو۔ خلافت کی عمارت کو تقویٰ اور مضبوط رشتہ  
نبودیت کی بنیاد پر استوار کرنا۔ جب اللہ کا ذکر کرنا تو اس کے ساتھ اس کے حبیب  
ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کرنا۔ کیونکہ میں نے ان کا نام مبارک عرش پر  
لکھا ہوا دیکھا تھا جب میرے قالب خاکی میں پہلی بار روح داخل ہوئی تھی۔

پھر میں نے تمام آسمانوں کی سیر کی اور ہر طرف گھوم پھر کر دیکھا مجھے کوئی ایسی جگہ  
نہ ملی جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نہ لکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں  
رکھا، وہاں کوئی محل، کوئی بالاخانہ، اور کوئی برآمدہ ایسا نظر نہیں آیا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم



کا نام نامی نہ کندہ ہو، میں نے حوروں کے سینوں پر، جنت کے درختوں پر، شجر طوبیٰ اور  
سدرۃ المنتہیٰ کے چوں پر، عرش الہی اور حریم قدس کے پردوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں  
کی چلیوں میں ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک ستارے کی طرح جگمگاتا ہوا دیکھا ہے۔  
اس لئے ایک لائق و فائق بیٹے کی طرح میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم ایک لمحہ بھی ان کی  
یاد سے غافل نہ رہنا۔ عالم ملکوت والوں کو میں نے دیکھا ہے کہ انہی کے ذکر سے وہ  
اپنی توانائی حاصل کرتے ہیں۔

### فائدہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ فکر انگیز تبصرہ توجہ سے پڑھنے کے  
قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کو جو محبوب ترین  
اولاد اور خلیفہ تھے، وصیت کی کہ آنحضرت کا ذکر بکثرت کیا کریں۔ اس  
وصیت میں بظاہر دو فائدے ہیں۔ ایک خاص نفع ذاتی شیعہ علیہ السلام  
کا کہ ذکر کی بدولت حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا تقرب بڑھے  
دوسرا یہ کہ تمام اولاد کی بھلائی بھی مد نظر تھی۔ کیونکہ جب سب کو  
یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ انھوں نے اپنے پیارے فرزند و بیعت کو  
ایسی وصیت کی ہے تو ان میں جو زبرک اور خلف الصدق (لائق بیٹے)  
ہوں گے، ضرور اس کام کی طرف رغبت کریں گے۔ اس پر اگر کسی ناخلف  
نے پدر مہربان کی وصیت کو نغو سمجھا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا۔  
اب اس موقع پر ہمارے قارئین اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب  
انبیائے اولوالعزم نے ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر اہتمام  
کیا ہو تو ہم امتیوں کو کس قدر اس کا اہتمام و التزام چاہیے کیونکہ  
ہمارا تو دین و ایمان ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت  
پر ہے۔  
(انوار احمدی ص ۲۶)



## ساتویں دلیل

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں حضرت ابوالنعمین کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے سرانديپ (جزیرہ ہند) میں اتارے گئے تو انھیں وحشت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غم و اندوہ کے ازالہ کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا۔ انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اذان دی جس سے ان کی وحشت دور ہو گئی۔

### فائدہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف نے حوا فادہ فرمایا ہے وہ اہل عشق و ایمان کے لئے حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں یہ اثر دیا گیا ہے کہ وحشت و اندوہ کو دفع کرے۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھنی چاہیے کہ اگر کسی بد اعتقاد قسّی القلب کے دل میں یہ اثر ظاہر نہ ہو تو یہ نہ سمجھیں کہ اس کی تاثیر میں فرق ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ محل میں صلاحیت نہیں جیسا کہ ساری دنیا کے اطباء معترف ہیں کہ جب محل میں صلاحیت قبول نہ ہو تو دوا کیسی ہی قوی الاثر کیوں نہ ہو کچھ تاثیر نہیں کرتی (انوار احمدی ص ۳۱)

## آٹھویں دلیل

### عہد صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ

مواہب لدنیہ میں ابن عدی، ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابوالنعمین جیسے اکابر محدثین کے حوالہ سے ایک نہایت عقیدت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ایک انصاری



نوجوان کا انتقال ہوا۔ ان کی ماں نہایت بوڑھی اور نابینا تھیں۔ انتقال کی خبر سن کر ہم لوگ ان کے گھر گئے اور نوجوان کے مردہ جسم کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس کی بوڑھی ماں کو جب ہم صبر کی تلقین کرنے لگے تو انھوں نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا بیٹا انتقال کر گیا۔ ہم لوگوں نے جواب دیا ہاں! وہ انتقال کر گیا۔ یہ سن کر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ یہ دعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ رَاقِيْ  
لے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں  
هَاجِرٌ اِلَيْكَ ذَا لِيْ سَبِيْعٍ  
نے تیری اور تیرے نبی کی طرف  
مَرَجَا اَنْ تُعِيْنَنِيْ عَلٰی كُنْ  
ہجرت اس امید پر کی ہے کہ تو ہر  
مُسْتَقْبَلٍ فَلَا تَحْبِلُنْ عَلٰی  
سختی میں میری مدد کرے گا تو میرے  
هٰذِهِ الْمُسْتَضِيْبَةِ  
جوان بیٹے کا صدمہ میرے اوپر

مت ڈال۔

اس واقعہ کے راویان چشم دید بیان کرتے ہیں کہ دعا کے یہ الفاظ جیسے ہی تمام ہوئے نوجوان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ہم سے باتیں کرنے لگا اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ اس وقت تک زندہ رہا کہ اس کی ماں کا انتقال اس کے سامنے ہوا۔

### فائدہ

اس واقعہ کے ذیل میں موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی حسن عقیدت کی یہ لڑیاں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیسا قوی ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کا اُن بی بی صاحبہ کے دل میں ممکن تھا کہ بغیر سوچے ایسی نازک حالت میں بھی ان کی زبان پر آگیا۔ اور کیسا اعتقاد تھا کہ شک کو کچھ موقعہ ہی نہیں ملا۔ یہ عقیدہ اچھی طرح ان کے دل میں راسخ تھا کہ جب سب گھر بار چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت ہی کے ہونے تو کسی ہی مصیبت کیوں نہ ہو جب اس ذریعہ سے دعا کی جائے گی تو موت بھی ہوگی تو ٹل جائے گی۔

انوار احمدی ر ۳



## جلالتِ شانِ مصطفیٰ کے رنگارنگ جلوے

اس عنوان کے ذیل میں حضرت مصنف کے قلم کی روانی چشمہ کوثر کی ہر اقی ہوئی موج بن گئی ہے۔ کہیں کہیں توجہ بے عقیدت کے حلاطم کی ایسی و الہانہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ جی چاہئے لگتا ہے کہ نوک قلم کو آنکھوں سے نکالیں، ہونٹوں سے چومیں اور دل میں اتار لیں۔ مومنین کے قلوب کو سرور میں ڈبو دینے والی ایسی مرصع عبارتیں کہ و الہانہ محبت کا نور سطر سطر سے ٹپک رہا ہے اور حقائق و معانی کی قدر و قیمت کا کیا پوچھنا کہ عشق و اخلاص کی خوشبو سے الفاظ کے دامن تک ہلک اٹھے ہیں۔ حضرت مصنف کے احساسات کے آئینے میں ایمان کا نقطہ عروج دیکھنے کے قابل ہے۔

پچھلے اوراق میں بیان کردہ احادیث طیبات کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت مصنف رقم طراز ہیں:-

ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو قدر و منزلت اور جو خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اس کا کچھ حساب و شمار نہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ منشأ اور سبب اس کا کیا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی تھے تو اتنا کافی تھا کہ مثل دوسرے رسول کے بعد ادا کرنے میں مضیٰ یعنی تبلیغ رسالت کے مستحق تحسین ہوتے لیکن اس کے کیا معنی کہ ہمنور عالم ہستی کا نام تک کسی کی زبان پر نہیں آیا تھا کہ لسانِ غیب سے آپ کی عظمت و نام آوری کے چرچے ہونے لگے۔

حضرت آدم نے جب عدم سے آٹکے کھولی تو پہلے پہل جس چیز پر



نظر پڑی وہ آپ ہی کا نام نامی تھا جو خالق بے ہمتا کے ساتھ ہر جگہ جلوہ کو تھا۔ شجر خلد کا ہر پتہ گو اسی دے رہا ہے کہ ان کی نظیر کا کہیں پتہ نہیں۔ ہر فرشتہ آپ کے ذکر میں رطب اللسان ہے اور زبان حال "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ" مختصر کے ساتھ نغمہ سرا ہے۔ ایک طرف انبیائے الودیع نعت گوئی میں مصروف ہیں تو دوسری طرف آرزو مندی ہونے کی کوئی کر رہا ہے اور کوئی ان کے توسل سے مرادیں مانگ رہا ہے۔

معلوم نہیں قبل وجود کونسی جانفشانی آپ کی حق تعالیٰ کو ایسی پسند آگئی کہ اس قدر عزت افزائی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر جانفشانی پر اس کا مدار ہوتا تو انبیائے سابقین زیادہ تر مستحق ان مراتب کے تھے۔ معاذ اللہ یہاں عبودیت و عبادت کو کیا دخل! یہ تو ایک ایسی فضیلت خاص ہے جو قبل تخلیق عالم ان کے حق میں مقدر ہو چکی تھی و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم ۵

اب اگر بالفرض کوئی تمام ملائکہ اور جن وانس وغیرہ کے برابر عبادت کر کے یہ توقع رکھے کہ ہم بھی ایسا رتبہ حاصل کر سکتے ہیں تو کیا ممکن ہو گا؟ معاذ اللہ! یہ بھی ایک قسم کا جنون سمجھا جائے گا۔ کیونکہ خالق عالم جل شانہ ازل سے ابد تک کی فضیلت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر چکا۔ ازل کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا، ابد کا حال بھی آئندہ معلوم ہو جائے گا کہ جنت کی کنجیاں بھی حضرت ہی کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور جنت کی سلطنت حضرت ہی کو مسلم ہے۔ پھر یہ خیال کہ کسی دوسرے کو بھی حضرت کی سی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے، اس فدائی میں تو اس کا ظہور ممکن نہیں کیونکہ یہاں تو انحصار ازل اور ابد کا ہو گیا۔ اب اس سے زیادہ اس خیال میں خامہ فرسائی کرنا کلمات کفر کی حمایت کرنا ہے۔ کسی مسلمان کو طبع تو دور کنار، خیال تک نہیں آسکتا کہ خرافات و فضیلت میں حضرت کے ساتھ براہری ڈھونڈھے۔



چہ نسبت خاک را با عالم پاک !  
اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ دوسرے شخص کا خاتم النبیین  
ہونا محال ہے۔ (انوار احمدی ص ۴۴)

### عقیدہ ختم نبوت پر ایک فکر انگیز بحث

عقیدہ خاتم النبیین پر حضرت مصنف کے علمی دلائل، ایمانی شواہد، اور بے شمار قرون  
تینہاٹ کی شاندار بحث پڑھنے سے پہلے جامعہ نظامیہ حیدر آباد کے شیخ محترم مولانا عبد الحمید  
صاحب کا یہ جاسٹیف پڑھئے تاکہ بحث کے بنیادی گوشوں سے آپ پوری طرح باخبر ہو جائیں۔  
شیخ الجامعہ تحریر فرماتے ہیں۔

تخذیر الناس نامی کتاب میں خاتم النبیین کے مسئلے پر (مولانا محمد قاسم  
صاحب نانوتوی) باقی دارالعلوم دیوبند نے ایک فلسفیانہ بحث فرمائی ہے  
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

”خاتم النبیین ہونا فضیلت کی بات نہیں۔ کسی کا مقدم زمانے یا  
مؤخر زمانے یعنی اگلے اور پچھلے زمانے میں پایا جانا فضیلت سے تعلق  
نہیں رکھتا۔ اور اگر بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی آجائے تو آپ کی فضیلت  
پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ کیونکہ خاتم النبیین ہونے میں امکان ذاتی  
کی نفی نہیں یعنی آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن ہے۔“

اس شبہ کا ازالہ حضرت مولانا مرحوم ”مصنف کتاب“ نے اپنے  
اس مضمون میں نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :  
”خاتم النبیین کا دھن آغضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے جو  
آپ کی ذات کرامی کے ساتھ منقش ہے کسی اور میں پایا نہیں جاسکتا۔  
خاتم النبیین کا لقب ازل ہی سے آپ کے لئے مقرر ہے۔ اس کا اطلاق  
آپ کے سوا کسی اور پر نہیں ہو سکتا کیونکہ خاتم النبیین کا مفہوم جزئی حقیقی



ہے۔ جزئی حقیقی وہ ہے جس کا اطلاق ایک سے زائد پر عقلاً ممکن ہے لہذا  
ایسی صورت میں کسی اور خاتم النبیین کا ذاتی امکان باقی نہ رہا۔  
اسی مضمون کو حضرت نے تحذیر الناس کے جواب میں پھیلا کر تحریر  
فرمایا ہے اور اس میں وضاحت فرمائی ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کلام قدیم میں "خاتم النبیین" فرمایا ہے تو حضور  
ازل ہی سے اس صفت خاص کے ساتھ متصف ہیں۔ ایسا کوئی زمانہ نہیں  
جو باری تعالیٰ کے علم اور کلام پر مقدم ہو۔ اور اس میں کوئی اور شخص اس صفت  
سے متصف ہو سکے۔ پس خاتم النبیین کی صفت مختصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کی ذات گرامی میں منحصر ہے کسی دوسرے کا اس صفت کے ساتھ اتصاف  
محال ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ  
کَلِّمْ بَيْنَ عَيْنَيْهِ صَلَواتُہُ پڑھ کر ہر نئی بات کو خواہ حسنہ ہو یا سیئہ مستوجب  
دوزخ قرار دیا کرتے ہیں وہ اس سوال کا جواب دیں کہ کیا خاتم النبیین پر  
فلسفی بحث بدعت نہیں ہے۔ چونکہ قرآن میں ہے اور نہ اس کے بارے  
میں کوئی حدیث وارد ہے نہ قرون ثلثہ میں صحابہ تابعین اور تبع تابعین نے  
خاتم النبیین پر ایسی کوئی بحث کی ہے۔

مزید براں اس بدعت قبیحہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانی نے اس فلسفیانہ  
استدلال سے اپنی نبوت پر دلیل پیش کی اور شہادت میں مصنف تحذیر الناس  
کا نام پیش کیا۔ اب یہ مقدمہ مدعی اور گواہ کے ساتھ اسی بارگاہ میں پیش  
ہوگا جس نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند  
مت کرو۔ بلند کرو گے تو تمہارے سارے اعمال جپٹ کر دیے جائیں گے۔  
محمد عبدالحمید شیخ الجامعہ نظامیہ الوار احمدی مدظلہ



اس حاشیہ کے بعد اب حضرت مصنف کی وہ زلزلہ لگن تنبیہات ملاحظہ فرمائیں  
لفظ خاتم النبیین کے سلسلے میں تحذیر الناس کے مصنف کے خلات انھوں نے صا اور  
فرمائی ہیں:

### پہلی تنبیہ

بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ دوسرے کا خاتم النبیین ہونا محال و  
ممتنع ہے مگر یہ امتناع بغیر ہوگا نہ بالذات! جس سے امکان ذاتی کی  
نفی نہیں ہو سکتی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصف خاتم النبیین خاصہ  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو دوسرے پر صادق نہیں آ سکتا۔ اور  
موضوع لہ اس لقب کا ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ عند الاطلاق  
کوئی دوسرا اس مفہوم میں شریک نہیں ہو سکتا پس یہ مفہوم جزئی حقیقی ہے۔  
ص ۳۳

### دوسری تنبیہ

پھر جب عقل نے یہ تعبیر نقل خاتم النبیین کی صفت کے ساتھ ایک  
ذات کو متصف مان لیا تو اس کے نزدیک محال ہو گیا کہ کوئی دوسری ذات  
اس صفت کے ساتھ متصف ہو۔ اور بحسب منطوق لازم الوثوق مَا يَتَّبَعُ لِي  
الْقَوْلُ لَدَىٰ اَبَدِ الْاَبَدِ تک کے لئے یہ لقب مختص آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم ہی کے لئے ٹھہرا تو جزئیت اس مفہوم کی ابد الابد تک کے لئے  
ہو گئی۔ کیونکہ یہ لقب قرآن شریف سے ثابت ہے جو بلا شک قدیم ہے۔ ص ۳۳

### تیسری تنبیہ

اب دیکھا جائے کہ مصداق اس صفت کا کب سے معین ہوا۔ سو ہمارا  
دعویٰ ہے کہ ابتداء سے عالم امکان سے جسم قسم کا بھی وجود فرض کیا جائے



ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت محققہ کے ساتھ متصف ہیں۔  
کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین  
فرما چکا۔ اب کون سا ایسا زمانہ نکل سکے گا جو باری تعالیٰ کے صفت علم و کلام  
پر مقدم ہو۔

### چوتھی تنبیہ

غیرت عشق محمدی بڑی چیز ہے۔ جب اسے جلال آتا ہے تو ایک زلزلہ کی سی کیفیت پیدا  
ہو جاتی ہے۔ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اسے اپنے محبوب کی تنقیص ذرا بھی  
برداشت نہیں۔ مصنف کتاب باوجودیکہ بہت نرم طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اس موقع پر  
ان کے قلم کا جلال دیکھنے کے قابل ہے۔ کسی اور خاتم النبیین کے امکان کے سوال پر ان کے  
ایمان کی غیرت اس درجہ بے قابو ہو گئی ہے کہ سطر سطر سے ہوا کی بوند ٹپک رہی ہے۔  
میدان وفا میں عشق کو سرکھٹ دیکھنا ہو تو یہ سطر میں پڑھئے۔  
مصنف کتاب، تحذیر الناس کے مباحث کا محاسبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم ذرا ان صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں  
جو کل بدعتہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہرگز نہ ہو کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے۔  
کیا اس قسم کی بحث فلسفی بھی کہیں قرآن و حدیث میں وارد ہے یا قرون ثلثہ  
میں کسی نے کی تھی۔ پھر ایسی بدعت تبلیغ کے مرکب ہو کر کیا استحقاق  
پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس  
کی گردن پر ہو گا؟

دیکھئے حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور انور  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالے تو  
اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اس کے ذمہ ہو گا اور عمل  
کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی (رواد مسلم)



کہتے کہتے اس مقام پر عشق و ایمان کی غیرت نقطہ انتہا کو پہن گئی ہے غیظ میں ڈوبے ہوئے  
ان کلمات کا ذرا تہیور ملاحظہ فرمائیے! تحریر فرماتے ہیں۔

بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا  
کیا نقصان تھا۔ کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح  
کے شاخسانے نکالے گئے۔

یہ تو بتائیے کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدعتوں کی  
کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلم ہونا مطلقاً ناگوار  
ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے  
خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔  
جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دین اسلام میں نہ ملا تو فلاسفہ معاندین  
کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دودم (دودھاری تلوار) ان سے  
لے کر میدان میں آکھڑے ہوئے۔

### پانچویں تنبیہ

افسوس ہے اس دھن میں یہ بھی نہ سوچا کہ معتقدین سادہ لوح کو اس  
خاتم فرضی کا انتظار کتنے کنوئیں جھنکائے گا۔ مقلدین سادہ لوح کے دلوں پر  
اس تقریر نامعقول کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
خاتمیت میں کسی قدر شک پڑ گیا۔ چنانچہ بعض اتباع نے اس بنا پر اہل لام  
خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرت صرف ان نبیوں کے خاتم ہیں جو گزر  
چکے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کے بعد بھی انبیاء پیدا ہوں گے اور  
ان کا خاتم کوئی اور ہوگا۔



معاذ اللہ اس تقریر نے یہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا۔  
 ذرا سوچئے تو کہ حضور کے خاتم النبیین ہونے کے سلسلے میں یہ سارے احتمالات  
 حضور کے رد پر دلکالے جانے تو حضور پر کس قدر شاق گزرتا۔

### چھٹی تنبیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کے سامنے تورات کے  
 مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر حضور کی حالت کس قدر متغیر ہو گئی  
 تھی کہ چہرہ مبارک سے غضب کے آثار پیدا تھے۔ اور باوجود اس خلق عظیم  
 کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو  
 لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے  
 ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے  
 میرے امتیاز کے ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے  
 صحابی با اخلاص کی صریح اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و  
 عمر کی اس تقریر سے جو خود خاقیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے حضور کو کیسی  
 اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جانے لگی؟ ہرگز نہیں۔ حق تعالیٰ  
 ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِينَ يَكُونُونَ اللَّهُ وَ	جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس
رَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي	کے رسول کو لعنت کرے گا اللہ ان
السُّبْحِ وَالْأَصْحَارِ وَ أَحَدٌ	پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ	اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے
	ذلت کا عذاب۔



## درود و سلام کی نورانی بحث

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف نے نصف قرطاس پر علم و حکمت اور عشق و عرفان کے ایسے قیمتی جواہرات بکھیرے ہیں کہ ان کی جگہ کاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہوئے لگتی ہیں۔ چونکہ درود و سلام بارگاہ رسالت میں تقرب کا ایک نہایت مؤثر ذریعہ ہے اس لئے مصنف کتاب نے اس بحث کو علمی نوادرات اور عقیدہ و اخلاص کے محرکات سے اتنا آراستہ کر دیا ہے کہ اس کے بے لاگ مطالعہ کے بعد دلوں کو الہانہ محبت کی وارفتگی سے بچا لینا بہت مشکل ہے۔ الا آنکھ کسی کے دل ہی پر سیہ بختی کی مہر لگ گئی ہو۔ حضرت مصنف نے درود و سلام کے سلسلے میں بحث کے اتنے نئے نئے گوشے پیدا کئے ہیں کہ ان کے ذہنی تجسس اور قوت فکر کی نکتہ آفرینی پر حیرت ہوتی ہے۔

آنے والے صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ حضرت مصنف اس طبقے سے پوری طرح باخبر ہیں جو درود و سلام کا مخالف ہے یا دوسرے لفظوں میں درود و سلام کو فروغ دینے والی روایات و محرکات کا دشمن ہے۔ درود شریف کے فوائد و برکات اور فضائل و مناقب پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مصنف رقمطراز ہیں :-

درود شریف کی برکت سے فقر و تنگدستی دور ہوتی ہے۔ پردہ غیب سے رزق کے بہت سے دروازے کھلتے ہیں۔ درود شریف کا ورد رکھنے والا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے بہت قریب ہو جاتا ہے۔ درود و سلام ایک مرشد کی طرح قلوب کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور درود رکھنے والے کو گناہوں کی آلودگی اور نفس کی شرارت سے محفوظ رکھتا ہے



اس کا ثواب پہاڑوں کے برابر صدقہ دینے اور غلام آزاد کرنے کے مثل ہے۔ درود شریف گناہوں کو مٹاتا ہے اور نیکیوں کے ذخیرے کو بڑھاتا ہے۔ درود پڑھنے والا مرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ جنت میں اس کا کہاں ٹھکانہ ہے۔ قیامت کی ہولناک گھڑی میں درود شریف پڑھنے والے کو عرش الہی کا سایہ نصیب ہوگا اور ہول اور دہشت سے نجات پائے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و قربت اسے میسر آئے گی۔ اور آخرت کی سرفرازی اور کامیابی اسے حاصل ہوگی۔ درود شریف کا ورد رکھنے والا قبر کی وحشت سے محفوظ رہے گا اور حق تعالیٰ کے غضب سے امن پائے گا۔  
(انوار احمدی ص ۵۷)

## درود شریف کے اہتمام کی ضرورت

اس عنوان کے تحت حضرت مصطفیٰ تحریر فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کثرت سے ہو۔ اسی لئے جملہ مومنین کو درود شریف پڑھنے کا امر فرمایا۔ اور وہ بھی اس خوبی کے ساتھ کہ میں خود بھی اس کام میں مشغول ہوں اور تمام ملائکہ بھی مشغول ہیں لہذا اے ایمان دارو! تمہیں بھی چاہیے کہ تم بھی اسی کام میں مشغول رہو۔

مطلب یہ ہے کہ جب خود خداوند قدیر اور اس کے تمام فرشتے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت درود بھیجتے ہیں تو بطریق اولیٰ تمہیں چاہیے کہ پوری جانفشانی اور دلدہی کے ساتھ تم اس کام میں مشغول رہو کیونکہ تم اس نبی کے امتی بھی ہو اور اس کے احسان کے نیچے تمہارا بال بال دبا ہوا بھی ہے۔

امت کی مغفرت و نجات کے لئے اگر اپنے رسول کے گریہ و شہ



اور مناجات سحر کا شکر یہ تم پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کر دو کہ ان کے ذکر میں رطب اللسان رہو۔ بڑے خرم کی بات ہے کہ ایک طرف امتی ہونے کا بھی دعویٰ ہے اور دوسری طرف ان کے ذکر سے گریز کا راستہ بھی تلاش کرتے ہو۔

اس کے بعد مصنف کتاب نے درود شریف کے فضائل پر دو حیرت انگیز اور ایمان افروز حدیثیں پیش کی ہیں۔

## فضائل درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں

### پہلی حدیث

کنز العمال کی روایت کے مطابق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میں نے مجھے خبر دی ہے کہ جو امتی آپ پر درود پڑھتا ہے اس کے بدلے میں حق تعالیٰ دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹاتا ہے اور دس بار اس کے درجے بلند کرتا ہے اور ایک فرشتہ درود پڑھنے والے کے حق میں وہی الفاظ کہتا ہے جو وہ آپ کے حق میں کہتا ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ وہ فرشتہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے وہ فرشتہ اس کام پر مقرر ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر درود پڑھے وہ فرشتہ جواب میں کہے کہ تجھ پر بھی خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔

### فائدہ

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب ایک عجیب و غریب نکتہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اب دیکھئے درود شریف پڑھنے کا حکم سہل ہے میں صادر ہوا لیکن درود پڑھنے کا صلہ دینے کے لئے وہ فرشتہ پہلے ہی سے موجود ہے۔  
اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں درود شریف



کی کیسی قدر و قیمت ہے اور اس کی عظمتِ شان کے اظہار کے لئے حق تعالیٰ نے کتنا اہتمام کیا ہے۔ اور اس حدیث کے مضمون سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حکم سے پہلے درود شریف پڑھنے والے بھی موجود ہونگے اور وہ فرشتے ہیں۔ (ص ۵۸)

### دوسری حدیث

سونے کا قلم چاندی کی دوات اور نور کا کاغذ

مصنف کتاب تحریر فرماتے ہیں کہ

امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ آنکھیں بند ہوئے درود شریف پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران انھیں محسوس ہوا کہ جو درود شریف وہ پڑھ رہے ہیں کوئی لکھنے والا اسے کاغذ پر لکھ رہا ہے جب انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہو گیا۔

اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث کنز العمال میں حضرت ویلی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رؤیت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص فرشتے ہیں جو جمعہ کی رات اور دن کے وقت آسمان سے نازل ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں سونے کا قلم، چاندی کی دوات اور نور کے کاغذ ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جانے والا درود شریف لکھتے رہیں۔

اس حدیث کی عربی عبارت یہ ہے:

بَابُ يَهِيهِ أَقْلَامٌ مِنْ ذَهَبٍ  
فَرَوَى مِنْ قِطْعَةٍ وَفَرَاطِيسٍ  
مِنْ دُورٍ لَا يَكْتَبُونَ إِلَّا  
الْقُلُوبَةَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ان کے ہاتھوں میں سونے کے قلم  
چاندی کی دواتیں اور نور کے کاغذ  
ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ  
وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا  
جانے والا درود شریف لکھتے رہیں۔



## درود شریف کا ایک رقت انگیز واقعہ

مصنف کتاب نے طبرانی کے حوالے سے ایک نہایت رقت انگیز واقعہ نقل کیا ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گھر سے نکلے جب مدینے کے ایک چوراہے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک دیہاتی اپنے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے سامنے سے چلا آ رہا ہے۔ جب وہ حضور کے قریب پہنچا تو اس طرح سلام عرض کیا۔  
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُہُ حضور نے اس کے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔

اسی درمیان ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ دیہاتی میرا اونٹ چرا کر لئے جا رہا ہے۔ اس پر اونٹ نے اپنے منہ سے ایک آواز نکالی جسے سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ تو میرے سامنے سے دفع ہو جا۔ اونٹ خود گواہی دے رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے۔

جب وہ چلا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی سے فرمایا کہ جس وقت تو میری طرف آ رہا تھا اس وقت تو کیا پڑھ رہا تھا۔ اس نے عرض کیا میرے باپ آپ پر قربان ہوں۔ اُس وقت میں درود شریف پڑھ رہا تھا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنْ الصَّلٰوۃِ شَیْءٌ اَللّٰهُمَّ  
سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنْ السَّلَامِ شَیْءٌ اَللّٰهُمَّ  
بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنْ الْبَرَکَۃِ شَیْءٌ اَللّٰهُمَّ رَحِّمْ  
مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنْ الرَّحْمَۃِ شَیْءٌ

یہ سن کر حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تیرے منہ سے نکلے ہوئے درود کے الفاظ وصول کرنے کے لئے آسمانوں سے اتنے فرشتے نازل ہوئے کہ مدینہ کے آسمان کا سارا افق فرشتوں سے بھر گیا۔

اس حدیث سے مصنف کتاب نے استدلال کیا ہے کہ درود شریف پڑھنے کے وقت



آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور حضور کو پڑھنے والے کے منہ سے درود شریف کے نکلے ہوئے الفاظ تک نظر آتے ہیں۔

### حضور کے دربار میں درود و سلام کس طرح پہنچتا ہے

مصنف کتاب نے اس عنوان کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں تین طریقوں سے درود و سلام پہنچتا ہے۔

#### پہلا طریقہ

یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے منہ سے نکلے ہوئے درود و سلام کے الفاظ لے کر عرشِ انبی کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ راستے میں جس فرشتے پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتا ہے۔  
صَلُّوا عَلٰی قَائِلِہَا کَمَا صَلَّی عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم (انقول ابودریس رحمہ اللہ)  
یعنی اس درود پڑھنے والے کے لئے بھی اسی طرح رحمت کی دعا کرو جس طرح اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا ہے۔

جب بارگاہ رب العزت میں وہ درود و سلام پیش کرتے ہیں تو حکم ہوتا ہے :  
اِذْہَبُوا بِہَا اِلٰی قَبْرِ عَبْدِی یَسْتَغْفِرُ لِقَائِہَا وَلِقَیْرِہَا عِدَّتْہُ

(رواہ الاہلبی عنی ام ابوہریرۃ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

یعنی اس درود کو میرے محبوب کی قبر شریف کی طرف لے جاؤ اور ان کے سامنے پیش کرو تا کہ وہ درود پڑھنے والے کے لئے دعا کے مغفرت کریں اور درود شریف کے ذریعہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد مصنف کتاب تحریر فرماتے ہیں :

اس اہتمام اور فضل کو دیکھئے کہ قبل اس کے کہ بدیہ درود بارگاہ مرجع عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہو، حق تعالیٰ صرف بہ نظر عزت افزائی اسے اپنی بارگاہ میں طلب فرماتا ہے۔ اور اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیجنے والے



کو بد ملے خیر یاد فرمائیں۔ سبحان اللہ! عنایت و اکرام کا کیسا عظیم الشان  
ذریعہ قائم کیا گیا کہ اب تک کسی کو نصیب ہوا کہ ہم لوگ درود پڑھیں تو ہمارا  
ذکر خیر عالم ملکوت میں ہونے لگے۔ ص ۶۶

### دوسرا طریقہ

یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تحفہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ  
وسلم کے دربار گہریاں میں براہ راست خوب پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں  
حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اس مضمون کی ایک حدیث نقل  
فرمائی ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں۔

مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِذَا مِتُّ إِلَّا جَاءَ بِنِي  
سَلَامٍ مَعَ جِبْرِئِيلَ وَيَقُولُ يَا مُحَمَّدُ هَذَا فُلَانُ  
ابْنِ فُلَانٍ يَقُولُ لَكَ السَّلَامُ قَالُوا قَوْلٌ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَ  
رَأَاهُ اللَّهُ وَتَبَرَكَ تَعَالَى  
میری وفات کے بعد تم میں سے جو شخص بھی  
مجھ پر سلام بھیجے گا اے جبریل امین اپنے  
ساتھ لے کر میرے پاس حاضر ہوں گے  
اور عرض کریں گے کہ فلاں ابن فلاں نے  
آپ پر یہ سلام بھیجا ہے میں جواب میں  
کہوں گا کہ اس پر بھی سلام اور اللہ  
کی رحمت و برکت نازل ہو۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ خاص ایک فرشتہ اسی خدمت پر مامور ہے کہ وہ روئے  
زمین کے طول و عرض میں پیش کئے جانے والے درود و سلام کا تحفہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم  
تک پہنچائے۔ جیسا کہ کثر اعمال میں امام طبرانی کی روایت سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم  
کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے جس کے اصل راوی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضور  
نے انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا:

يَا عَمَّارُ إِنَّ اللَّهَ مَلَكًا  
أَعْطَاهُ سَمَاعَ الْخَلَائِقِ وَ  
هُوَ قَائِمٌ عَلَيَّ قَبْرِي إِذَا  
مِتُّ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَيْسَ  
اے عمار اللہ کا ایک فرشتہ ہے  
جسے اللہ نے جملہ مخلوقات کی آواز  
سننے کی قدرت عطا کی ہے اور  
وہ میرے انتقال کے بعد میری



أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِي صَلَّى عَلَى  
صَلَوَةٍ إِلَّا يُسَمِّيَ بِاسْمِهِ  
وَرَسْمُ أَبِيهِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ  
صَلَّى فَلَانٌ عَلَيْكَ كَذَا وَ  
كَذَا فَيُصَلِّي الرَّبُّ عَلَى  
ذَلِكَ الرَّجُلِ يَكُلُّ وَاحِدَةً  
عَشْرًا۔

تقریب قیامت تک کھڑا رہے گا اور  
میرا جو امتی مجھ پر درود پڑھے گا  
وہ اس کے نام اور ولدیت کے  
ساتھ اس کا بھیجا ہوا درود مجھ تک  
پہنچائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے  
ہر درود کے بدلے میں اس پر دس  
رحمتیں نازل فرمائے گا۔

کثرت اعمال میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے  
بھی نقل ہوئی ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

أَلْغَزُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ  
فَإِنَّ اللَّهَ وَكُلَّ رَجُلٍ مَلَكَ  
عِنْدَ قَبْرِي فَإِذَا صَلَّى  
رَجُلٌ مِنْ أُمَّتِي قَالَ  
ذَلِكَ الْمَلَكُ يَا مُحَمَّدُ  
إِنَّ فُلَانًا ابْنُ فُلَانٍ  
صَلَّى عَلَيْكَ السَّاعَةَ  
(دیلی)

مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کہ  
کہ اللہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر  
مقرر کیا ہے۔ جب میرا کوئی امتی مجھ  
پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا  
ہے کہ اے محمد فلاں کے بیٹے  
فلاں نے ابھی آپ پر درود  
پڑھا ہے۔

### تیسرا طریقہ

یہ ہے کہ ہر امتی کا درود و سلام حضور پاک صاحب بولاک صلی اللہ علیہ وسلم  
بذات خود اپنے گوش مبارک سے سنتے ہیں۔ جیسا کہ امام طبرانی کے حوالے سے محدث کبیر  
ابن حجر مکی نے اپنی مشہور کتاب الجواہر المنقطعة میں حضور کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

لَيْسَ مِنْ عِبْدِي يُصَلِّي  
عَلَيَّ إِلَّا بَلَغَنِي صَوْتُهُ قُلْنَا  
يَا رَسُولَ اللَّهِ وَبَعْدَ وَفَاتَاكَ

جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے  
اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے  
صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کی



قَالَ وَبَعْدَ ذَاقَ رِزَاتٍ  
اللَّهُ حَرَّمَ عَلَيْكَ الْأَمْْرَضَ  
أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ  
الْإِنْسَانِ -

وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ نے انبیاء کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔

### سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال

حضرت فاضل مصنف یہ ساری حدیثیں نقل کرنے کے بعد سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

جب اتنی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بعد یکساں ہیں اور وہ آن واحد میں ہر شخص کی آواز براہِ سننے ہیں تو اب اہل ایمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ علمی میں شک کیا موقع ہو گا۔ اس لئے کہ مبینی شک و انکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفتہ لازم آتا ہے (یعنی اگر حضور کے بارے میں دور سے سننے کا عقیدہ رکھا جائے تو خدا کے ساتھ برابری لازم آجائے گی۔ لیکن جب فرشتے دور سے ہر شخص کا درود و سلام سن لیتے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ صفت خدا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس نے یہ صفت اپنی مخلوق کو بھی عطا کی ہے) پھر جب آنحضرت کے خدام میں یہ صفت بطریقِ اولیٰ اور بدرجہ اتم موجود ہو۔ جیسا کہ حدیث مابقی میں خود حضور نے اس کی صراحت فرمادی ہے کہ جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کی آواز خود سنتا ہوں تو حضور کے احاطہ علمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ (منہ)

### ایک شبہ کا نہایت نفیس جواب

فاضل مصنف نے ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے نہایت شاندار بحث کی ہے۔



فرماتے ہیں کہ جب اپنے غلاموں کا درود و سلام حضور خود سنتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کا درود و سلام پہنچانے کے لئے پھر فرشتے کیوں مقرر کئے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر حق تعالیٰ کے حضور میں بھی تو بندوں کے اعمال بذریعہ ملائک ہی پیش ہوتے ہیں حالانکہ وہ عالم الغیب ہے۔ بندوں کے سارے اعمال و افعال سے وہ باخبر ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ بذریعہ ملائک اعمال پیش کئے جانے کی وجہ لامعلیٰ نہیں بلکہ سطوتِ شہادت اور شوکتِ حاکمانہ کا اظہار ہے۔ یہی حکمت فرشتوں کے ذریعہ درود و سلام کی پیشی میں بھی ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور کی قبر شریف کے پاس بھی اگر کوئی شخص درود و سلام پیش کرتا ہے تو اسے بھی حضور تک فرشتے ہی پہنچاتے ہیں اس سے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شوکت کا اظہار مقصود ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ۔

مَا مِنْ عَبْدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ	جو بندہ بھی میری قبر کے پاس مجھے سلام
عِنْدَ قَبْرِي اَوْ وَكَلِ اللّٰهُ	کرتا ہے۔ اس کا سلام مجھ تک وہ فرشتہ
رَبِّهِ مَلَكًا يَّبْلِغُنِي وَكُنْفِي اَمْرًا	پہنچاتا ہے جو اس کام کے لئے مقرر
اٰخِرَتِهِ وَدُنْيَاهُ وَكُنْتُ رِبِّهِ	ہے۔ اس کا سلام دنیا و آخرت کی
شَهِيدًا يُّؤْمَرُ اَلْبَيْتَ	جملہ مقامات کے لئے کافی ہے اور میں
(کنز العمال)	قیامت کے دن اس پر گواہی دوں گا۔

اس کے علاوہ سلام پہنچانے پر بہت سے فرشتے معذور ہیں جو ہمیشہ اسی تلاش میں پھر اترتے ہیں۔ اور جہاں کسی نے سلام عرض کیا فوراً حضور کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ مسالک المنفا میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے:

قَالَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً	انہ کے بہت سے فرشتے ہیں جو ہر وقت
سَيَّاحِينَ يَّبْلِغُونَ عَنِّي	زمین کا پکڑ لگاتے رہتے ہیں اور میرا جو
اَمْرًا سَلَامًا	امتی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے وہ اس

(دائم، نسائی، دارمی، بیہقی) کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جیسے درود شریف پہنچانے کے دو ذریعے ہیں اسی طرح سلام پہنچانے کے بھی دو ذریعہ ہیں۔ ایک حضرت جبریل دوسرے یہ ملائکہ سیاحین۔ اس کے بعد حضرت مصنف نے درود شریف کی فضیلت میں دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو نہایت عظیم الشان ہیں۔



### پہلی حدیث

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص میرے حق کی تعظیم و تکریم کی نیت سے مجھ پر درود پڑھتا ہے حق تعالیٰ اس کلمہ سے ایک ایسا عظیم الجثہ فرشتہ پیدا کرتا ہے جس کا ایک بازو مشرق میں ہوتا ہے اور دوسرا بازو مغرب میں اور پاؤں تحت الشریٰ میں اور عرش الہی کے نیچے اس کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندے کے حق میں تو بھی رحمت و مغفرت کی دعا مانگ جس طرح اس نے میرے پیارے نبی پر درود بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ فرشتہ قیامت تک اس بندے کے حق میں رحمت و مغفرت کی دعا کرتا رہے گا۔

(روایت کیا اس حدیث کو ولہی نے مسند الفردوس میں اور ابن شاہین نے ترمذی میں)

### دوسری حدیث

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے مجھے وہ رتبے دیے ہیں جو کسی نبی کو نہیں ملے۔ اور مجھ کو سارے نبیوں پر فضیلت دی۔ اور میری امت کے لئے اعلیٰ درجہ مقرر فرمائے کہ وہ مجھ پر درود پڑھتے ہیں اور متعین فرمایا میری قبر کے پاس ایک فرشتہ جس کا نام منظوش ہے وہ اتنا طویل القامت اور عظیم الجثہ ہے کہ اس کا سر عرش الہی کے نیچے اور اس کا پاؤں تحت الشریٰ میں ہے۔ اور اس کے اتنی ہزار بازو ہیں اتنی ہزار پر ہیں۔ اور ہر پر کے نیچے اتنی ہزار رونگٹے ہیں۔ اور ہر رونگٹے کے نیچے ایک زبان ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کرتا ہے۔ اور اس شخص کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہے جو میرا امتی مجھ پر درود پڑھے۔ یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے۔

(روایت کیا اسے ابن بشکوال نے)

ان حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

شاید اتنے بڑے فرشتوں کا وجود مستبعد سمجھا جائے تو میں



سوال کروں گا کہ استبعاد کی وجہ کیا ہے ؟ کیا اللہ تعالیٰ ایسے عظیم الجثہ فرشتوں کے پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ قاصر کہنا تو عقلاً اور نقلاً دونوں اعتبار سے باطل اور محال ہے۔ کیونکہ خدا کی قدرت تخلیق کے لئے چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق دونوں برابر ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کر کے لفظ گن کہما اور وہ چیز فوراً وجود میں آگئی۔ (ص ۷۵)



پہلا معنی

خطیب شریف نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے وَصَلَّ عَلَیْهِمْ اَمْنٌ اُخْرُ لَہُمْ اَیُّ اَنْ اُنْصَلُوْا بِہُمْ یَعْنِیْ اَنْ اُنْصَلُوْا بِہُمْ اَمْنٌ اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے اِنْ صَلَّوْا لَکَ سَکُنَ لَہُمْ بِشَکْ اَیُّ اَنْ صَلَّوْا بِہُمْ اَمْنٌ اُنْصَلُوْا بِہُمْ اَمْنٌ اور بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے ۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اَلْمَلْعِكَةُ  
تَصَلِّيْ عَلٰی اَحَدِكُمْ مَا دَامَ  
فِي الصَّلَاةِ مَا لَمْ يَحْدُثْ  
تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ  
الرَّحِيْمُ۔

اس حدیث پاک اور آیات قرآنی سے واضح ہو گیا کہ صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں



## دوسرا معنی

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر صلوٰۃ کے معنی دُعا کے لئے جائیں تو ایسی صورت میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے معنی یہ ہوں گے کہ اے اللہ تو دعا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی خدا کی جناب میں صادق نہیں آتے کیونکہ دُعا مانگنا بندوں کا کام ہے نہ کہ خدا کا۔ اس لئے صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہیں۔ جیسا کہ شرح مواہب لدنیہ میں ہے۔ قَالَ الْمُبَرِّدُ الصَّلٰوةُ مِنْ اللّٰهِ الرَّحْمَةُ وَالْإِنْعَامُ۔ یعنی اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کے معنی رحمت اور انعام کے ہیں۔ امام سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں هُوَ الَّذِي يُصَلِّيْ عَلَيْكَ کی تفسیر میں ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنْ صَلَّوْا فِیْ رَحْمَتِيْ سَبَقْتُ عَذَابِيْ۔ میری صلوٰۃ سے مراد میری رحمت ہے جو میرے غضب پر غالب ہے۔

اور امام باقر صلی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے الصلوٰۃ من اللہ عزوجل ہی رحمتہ ومن الملئکتہ الاستغفار ومن الامم الدعاء۔ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو اس سے رحمت مراد ہوگی اور جب ملئکہ کی طرف ہوگی تو اس سے استغفار مراد ہوگا اور جب امت کی طرف ہوگی تو اس سے دُعا مراد ہوگی۔

## تیسرا معنی

صلوٰۃ کے تیسرے معنی تعظیم و ثنا کے ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے : قَالَ ابُو الْعَالِيَةِ صَلَّوْا لِلّٰهِ تَنَازَعًا عَلَيْكَ عِبْدُكَ الْمَلٰٓئِكَةُ حضرت ابو العالیہ نے کہا کہ نبی پر اللہ کی صلوٰۃ سے مراد نبی کی ثنا بیان کرنا ہے فرشتوں کے مجمع میں۔

امام قسطلانی کی صراحت کے مطابق یہی معنی ابن قیم کے نزدیک بھی پسندیدہ ہیں۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں کئی دلیلیں اس بات پر قائم کی ہیں کہ صلوٰۃ کے معنی رحمت کے نہیں ہو سکتے۔ ان کے دلائل کی تفصیل یہ ہے۔



## پہلی دلیل

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اَوْ لَعَلَّكُمْ عَلَيَّهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات ہیں اور رحمت ہے۔ یہاں رحمت کا عطف صلوات پر ہے اور یہ بات اہل زبان کے نزدیک مسلم ہے کہ عطف مغائرت کو چاہتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ صلوة کے معنی رحمت کے نہیں ہو سکتے۔

## دوسری دلیل

علماء کی صراحت کے مطابق صلوة انبیاء و رسل کے ساتھ خاص ہے اور ان کے واسطے سے عامہ مومنین بھی اس میں شامل ہیں لیکن رحمت کا مفہوم اتنا عام ہے کہ وہ مومن و غیر مومن، انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ صلوة اور رحمت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

## تیسری دلیل

اگر صلوة کے معنی رحمت کے ہوں تو جن لوگوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے چاہیے کہ اَللّٰهُمَّ اَسِرْهُمْ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٌ اَوْ اَل سَبِيحِ نَا مُحَمَّدٍ اے اللہ رحمت نازل فرما ہمارے آقا محمد اور ان کی آل پر کہنے سے واجب ادا ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نہ کہا جائے واجب ادا نہ ہوگا۔

## چوتھی دلیل

عرب کے عرف کے مطابق اگر کسی نے کسی پر رحم کر کے کھانا کھلا دیا تو زبان عرب میں اسے رَحْمَةً کہا جاتا ہے۔ یعنی اس نے اس پر رحم کیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جاسکتا۔ دیکھئے یہاں رحمت کا مفہوم صادق آتا ہے لیکن صلوة کا نہیں اس لئے ثابت ہوا کہ



صلوٰۃ اور رحمت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

### پانچویں دلیل

اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو آیت شریفہ ان اللہ وملتکنتہ کے معنی یہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت نازل کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لہذا اے ایمان والو تم بھی دعا کرو ان کے لئے۔ وجدان سلیم گواہی دیتا ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے کلام کے اول و آخر کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اگر صلوٰۃ کے معنی تعظیم و ثنا کے ہوں تو آیت کا مضمون ملبوط ہو جائے گا۔ اللہ اور فرشتوں کی ثناء تو ظاہر ہے لیکن مومنین کی صلوٰۃ بصورت دعا بھی ثناء کو متضمن ہوگی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ سے ثناء طلب کرنا بھی ایک طرح کی ثناء ہے۔

### چوتھا معنی

بعض لوگوں نے کہا کہ صلوٰۃ سے مراد مغفرت ہے جیسا کہ امام قسطلانی اپنی کتاب مسالک المحنفار میں تحریر فرماتے ہیں ان صلوٰۃ اللہ مغفرتہ۔ یعنی اللہ کی صلوٰۃ سے مراد اللہ کی مغفرت ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کی ایک حدیث بگو نقل فرمائی ہے جس سے اس دعوے پر انھوں نے استدلال کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا۔

هٰذَا السَّلَامُ قَدْ عَرَفْنَا	سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں اب صلوٰۃ
فَكَيْفَ الصَّلٰوةُ وَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ	کا طریقہ کیا ہوگا جبکہ خداوند قدوس نے
كَفَّ مَا تَعْتَدُ مِنْ ذُنُوبِكَ	آپ کے سارے اگلے پچھلے گناہ
وَمَا تَاْخِرْتَالِ قَوْلُوا اللّٰهُمَّ	بخش دے۔ فرمایا اس حکم کی تعمیل میں
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ	اللہم صل علی محمد کہا کرو۔

اس حدیث میں صحابہ کرام کے سوال سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے صلوٰۃ کے لفظ سے مغفرت کے معنی سمجھا۔ اس لئے انھیں تردد ہوا کہ مغفرت کرنے کا کلام تو اللہ تعالیٰ کا ہے پھر بندوں کو مغفرت کا حکم دینے کا کیا مطلب ہوگا۔ یا اس لئے انھیں تردد ہوا کہ سورہ فتح کی



مشہور آیت کریمہ کے ذریعہ مغفرت کا پروانہ تو حضور کو مل چکا اب دوبارہ مغفرت کا مطلب کیا ہوگا۔ اس لئے صلوٰۃ کے امثال میں انہیں سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی اور حضور کے فرمان کے بعد اسے امثالاً لامصباحہ کرام نے قبول کر لیا۔

### ایک ایمان افروز حدیث

ذیہ مغفرت کے سلسلے میں حضرت فاضل مصنف نے قاضی عیاض کی کتاب الشفاء سے ایک ایسی روح پرور حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس سے دل کی بیماریوں کو شفا ملتی ہے۔ اور حضور کی جلالت شان مہر نمرود کی طرح سب پر روشن ہو جاتی ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ایک موقع پر جبکہ میں رب العزت کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ ارشاد ہوا اے محمد! کچھ سوال کرو۔ میں نے عرض کیا میں کیا سوال کروں اے میرے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا، اور حضرت نوح کو برگزیدہ کیا۔ اور حضرت سلیمان کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ان کے بعد ایسی سلطنت کسی اور کو سزاوار نہیں۔ ارشاد ہوا جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے وہ ان سب سے بہتر ہے۔

میں نے تمہیں کوثر دیا، اور تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ وہ آسمان میں ہر طرف پکارا جاتا ہے۔ اور تمہارے لئے اور تمہاری امت کے لئے میں نے ساری روئے زمین کو طیب و طاهر بنایا اور تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے اب تم ایک منظور کی شان کے ساتھ زمین پر چل رہے ہو۔ تم سے پہلے ان عنایات بیگناہ کا کوئی بھی حامل نہیں بن سکا۔ اور تمہاری امت کے دلوں کو میں نے اپنی جلوہ گاہ بنایا اور تمہیں شفاعت کے اس منصب جلیل پر فائز کیا کہ یہ درجہ اب تک کسی نبی کو نہیں مل سکا۔

اس مہکتی ہوئی اور جھلکتی ہوئی حدیث کی خوشبو سے آپ کے قلوب معطر اور آپ کی آنکھیں منور ہو گئی ہوں تو اب پھر اسی سلسلہ بحث کی طرف پلٹ آئیے کہ صلوٰۃ کے کیا معنی ہیں۔



## فیصلہ کن بات

ان ساری تفصیلات کے بعد حضرت فاضل مصنف صلوٰۃ کے معنی کے سلسلے میں ایک فیصلہ کن بات تحریر فرماتے ہیں۔

ان سب اقوال سے مقصود یہ ہے کہ کمال تعظیم اور خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک سمجھی جاوے اور علوئے شان اور رفعت منزلت درود شریف کی ثابت ہو۔ یہاں تک کہ جنہوں نے صلوٰۃ سے رحمت مراد لی ہے اُن کا بھی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ رحمت عامہ ہے۔ بلکہ وہ رحمت مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص کی گئی ہے۔ جیسا کہ زرقانی نے اسی قسم کا جواب اس اعتراض کا دیا جو صاحب مواہب نے صلوٰۃ ورحمت میں مفارقت کو ثابت کرنے کے لئے آیت کریمہ اَوْ لَدَيْكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ سے استدلال کیا ہے۔

## ایک بصیرت افروز نکتہ

حضرت فاضل مصنف نے حکم صلوٰۃ کے سلسلے میں ایک عظیم الشان نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم احکام خداوندی کا جائزہ لو تو تم پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ جہاں جہاں بھی کوئی حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل میں بندوں کی طرف سے کسی فعل کا صدور ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نماز کے حکم کی تعمیل میں قیام رکوع اور سجدے کئے جاتے ہیں اور روزہ کے حکم کے امتثال میں بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ بخلاف درود شریف کے کہ حکم صلوٰۃ کی تعمیل میں کوئی کام نہیں کیا جاتا بلکہ اسی لفظ کو خدا کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ اے اللہ تو ان پر صلوٰۃ بھیج۔ یہ بلاشبہ ایسا ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے قتال کے حکم کے جواب میں خداوند قدوس



اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فَقَاتِلَا اِنَا هَاهُنَا قَاعِدٌ دُنْ کہا تھا۔ تم دونوں خود لڑو ہم تو یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔  
لیکن یہاں بنی اسرائیل کی طرح باغیانہ سرکشی یا حکم کی تعمیل سے انکار نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ «صَلَوٰةٌ عَلٰی النَّبِیِّ» کا مطلب جب رفع درجات اور اعتنائے شان مصطفیٰ ہے تو بندوں میں اس کا یارا کہاں! اب حکم سے عہدہ برآ ہونے کی صورت سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے بندے خود رب العزت سے درخواست کریں کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اے اللہ! تو ہی اپنے پیارے نبی کی شان بلند فرما اور ان کی عزت و تکریم میں بے پایاں ترقی عطا کر کہ تو ہی اس کی قدرت بھی رکھتا ہے اور اپنے نبی کے رتبے سے بھی واقف ہے۔

### امام ابو منصور ماتریدی کے علمی نکتہ سے استفادہ

حضرت فاضل مصنف نے تفسیر تادیلات القرآن کے حوالہ سے امام ابو منصور ماتریدی کا ایک علمی نکتہ سپرد قلم فرمایا ہے۔  
امام موصوف تجرید فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک حقیقت ثابت و موجود ہے لیکن ان میں سے بعض چیزوں کا وجود محسوس ہوتا ہے اور بعض چیزوں کا وجود امام انسانوں کی قوت اور اک سے ماوراء ہے۔ اور ہر شے کی حقیقت اپنا ایک مخصوص تشخص رکھتی ہے اور اسی بنیاد پر وہ دوسری شے کی حقیقت سے ممتاز ہوتی ہے۔  
مثال کے طور پر احادیث کی صراحت کے مطابق موت کی صورت و بننے کی جے جو قیامت کے دن ذبح کی جائے گی۔ اور نیل و فرات نام کی دو نہریں جو زمین پر بہتی ہیں ان کا منبع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۃ المنہتی کے قریب بحیثم خود ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح مدینت میں ہے کہ کلمۃ الحمد للہ قیامت کے دن میزان کو بھر دے گا اور کلمۃ سبحان اللہ اور کلمۃ اللہ اکبر زمین و آسمان کی وصفوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور نماز ایک نور ہے۔  
اسی طرح حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں۔ حضرت جبریل امین چت کبرے رنگ کے گھوڑے پر لاؤ کر میرے پاس آئے۔ یہ ساری چیزیں وہ ہیں جن کا وجود حق تعالیٰ کے نزدیک ثابت و موجود ہے لیکن ان کا مشاہدہ



عام انسانوں کی قوت ادراک سے بالاتر ہے۔

اپنی تفصیل کے بعد مصنف کتاب نے اپنے ایمانی احساسات کی جوت جگاتے ہوئے اپنے علمی کمالات کے وہ جواہرات بکھرے ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اسی طرح درود شریف کا حال بھی سمجھنا چاہیے کہ وہ ایک ممتاز شے ہے اور وجود اس کا اس عالم کے جنس سے نہیں ہے اور نہ ادراک اس کا خواص جسمانیہ سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے اور تعجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ بھی لیتے ہوں۔ کیونکہ ملکوت و لاہوت اور دوسرے عالم کی اشیاء جن تک ہماری قوت ادراک کی رسائی دشوار ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس و مشاہد تھیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے کہ قیامت کے دن کی اشیاء کو حضور یہاں سے ملاحظہ فرماتے تھے (۹۲)۔

اپنے اس دعوے پر کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن تک ہماری قوت ادراک کی رسائی نہیں ہو سکتی لیکن حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی غیبی قوت ادراک سے ان کا مشاہدہ فرماتے ہیں، حضرت فاضل مصنف نے دلائل کے انبار لگا دکائے ہیں۔ اب ذیل میں ان دلائل کے مطالعہ سے اپنے ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے۔

### حضور کی غیبی قوت ادراک کی پہلی دلیل

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں خاند کعبہ کے قریب تھا کہ بیت المقدس میرے سامنے پیش کیا گیا۔ اب اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فَجَعَلْتُ النَّظْرَ إِلَيْهِ وَارْتَأَيْتُ رَأْيَ جَهَنَّمَ وَأَهْلِهَا فِيهَا وَأَهْلَ الْجَنَّةِ  
میں اُسے اور اس کے اندر کی چیزوں کو دیکھنے لگا اور میں نے جہنم اور اہل جہنم کو بھی دیکھا۔ اسی طرح میں نے جنت اور اہل جنت کو بھی دیکھا جنت کے



فِي الْجَنَّةِ قَبْلَ أَنْ يَكُنْ خُلُوعًا

کہ وہ جنت میں داخل ہوں۔ اور ان

کہنا انظر انفسکم۔

(رواہ ابویعلیٰ فی مسند الفردوس)

مکہ میں بیٹھ کر بیت المقدس کا مشاہدہ کرنا اور اس دنیا میں رہ کر جنت و دوزخ کے

مناظرہ دیکھنا عام انسانوں کی قوت ادراک سے ماوراء ہے۔ یہ شانِ حضرت پیغمبر کی ہے۔

### حضور کی غیبی قوت ادراک کی دوسری دلیل

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر نماز پڑھی۔ اس وقت حضور پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ جیسے کوئی کسی کو رخصت کر رہا ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا۔

میں تمہارا میر منزل ہوں۔ میں تمہارے ایمان و اعمال کا مشاہدہ ہوں۔ اور تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ وَ إِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْكُمْ وَأَنَا فِي مَقَامِي هَذَا اودیں یہیں سے کھڑے کھڑے اسے دیکھ رہا ہوں۔ وَ قَدْ أُعْطِيتُ مَقَامًا تَبْحَ خَزَائِنِ الدُّرَرِ۔ اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ (رواہ الشیخان فی الصغیرین)

غور فرمائیے! ان میں سے کونسی چیز ایسی ہے جن کا ہم اپنے حواس کے ذریعہ ادراک کر سکتے ہیں لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ علمی دیکھئے کہ ان کی نگاہ پر کوئی حجاب حائل نہیں ہے۔ وہ اسی جہاں آب و گل سے عالم غیب کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

### حضور کی غیبی قوت ادراک کی تیسری دلیل

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنِّي اُرْسِي مَا لَكُمْ مَعَكُمْ وَ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ۔ میں غیب کی وہ ساری چیزیں دیکھتا ہوں جنہیں تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ساری آوازیں سنتا ہوں جنہیں تم نہیں سن سکتے۔ فرشتوں کے بوجھ کی وجہ سے میں آسمان کے چرچر کرنے کی آواز بھی سنتا ہوں۔ کیونکہ آسمان میں



چار انگلی بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو۔

(رواہ الترمذی ابن ماجہ)

اس حدیث میں بھی نہایت صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہماری قوت ادراک اور نبی کی قوت ادراک میں کتنا عظیم فرق ہے۔

### امام سیوطی کی روایت کردہ ایک حدیث

اسی سلسلہ کے ساتھ امام سیوطی کی یہ روایت بھی نظر میں رکھئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ علمی اور غیبی قوت ادراک کا صحیح اندازہ لگ جائے گا۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ برستے ہوئے بارش کے ساتھ اتنے کثیر فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں کہ ان کی تعداد جن وانس کے سارے افراد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بارش کا ہر قطرہ شمار کر لیتے ہیں اور انہیں اس کی بھی خبر ہوتی ہے کہ کون قطرہ کہاں گرے گا اور اس سے جو سبزہ اُگے گا اسے کون کھائے گا۔

(المحباک فی انباء الملائک)

### حضور کی غیبی قوت ادراک کی چوتھی دلیل

ابن اثیر نے اپنی کتاب أسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ میں حضرت انس نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک انصاری فوجان سامنے آیا حضور نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے کس حال میں صبح کی۔ عرض کیا اس حال میں کہ میں تنہا ایمان رکھتا ہوں۔ فرمایا بات سمجھ کر کہو کہ ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے یا بتاؤ؟ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔

عرض کیا میں نے اپنے آپ کو لذائذ دنیوی سے علیحدہ کر لیا ہے۔ راتیں بیداری میں گزارتا ہوں اور دن بھوک اور پیاس کی حالت میں۔ اب میری قوت مشاہدہ کی کیفیت یہ ہے کہ گویا میں عرش رب العالمین کو دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا یہ دیکھ رہا ہوں کہ اہل جنت آپس میں ملاقاتیں کر رہے ہیں اور اہل نار و زخ میں چیخ رہے ہیں۔ فرمایا اسی حالت پر قائم رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کو ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے۔ اپنی طرف اس



عنایت کریمانہ کو متوجہ دیکھا تو فوراً درخواست پیش کی کہ میرے لئے شہادت کی دعا فرمائیے  
۱ حضور نے اس کی درخواست قبول کی اور اس کے حق میں شہادت کی دعا فرمائی۔

ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک معرکہ پیش آیا جیسے ہی جہاد کے لئے منادی  
ہوئی سب سے پہلے وہ نوجوان اپنے گھر سے نکلا میدان کارزار میں پہنچا تو شہادت کے  
جذبہ شوق میں سب سے پہلے مجاہدین کی صف سے نکل کر وہی دشمن کے مقابلے پر آیا اور کچھ  
دیر تک اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کے بعد گھائل ہو کر زمین پر گرا اور شہادت کی  
نعت سے سرفراز ہوا۔

جب اس کی شہادت کی خبر ماں تک پہنچی تو وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور  
عرض کیا یا رسول اللہ! اگر میرا بیٹا جنت میں ہے تو نہ میں آنسو بہاؤں گی اور نہ اس کی  
جدائی کا مجھے کوئی غم ہوگا۔ اور اگر دوزخ میں ہے تو عمر بھر روتی رہوں گی۔ جواب عنایت  
فرمایا اے ام حارثہ! جنت ایک نہیں بلکہ بہت سی ہیں اور تیرا بیٹا فردوسِ اعلیٰ میں ہے۔  
یہ سنتے ہی ان کا چہرہ خوشی سے کھل گیا اور واہ حارثہ واہ حارثہ! کہتی ہوں وہ واپس  
لوٹ گئیں۔

اس حدیث سے جہاں حضور کی غیبی قوت مشاہدہ پر روشنی پڑتی ہے کہ مدینے میں  
بیٹھے بیٹھے حضور نے حارثہ کو فردوسِ اعلیٰ میں دیکھ لیا وہیں یہ حقیقت بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ  
صحابہ کرام بھی حضور کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ جنت و دوزخ سب حضور پر  
روشن ہے اور مدینے میں بیٹھے بیٹھے حضور بتا سکتے ہیں کہ کون جنت میں ہے اور کون جہنم میں۔  
کیونکہ حضور کی غیبی قوت ادراک کے بارے میں اگر ان کا مثبت عقیدہ نہ ہوتا تو وہ حضور  
سے اس طرح کا سوال ہی نہ کرتے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال سن کر  
حضور نے بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ان کا  
سوال اپنے محل میں صحیح تھا۔

اس محدث سے یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور کے فیضانِ صحبت  
اور اعجازِ حجاب سے صحابہ کرام کی قوت اور ان کا بھی عالم غیب کے مشاہدہ کی استعداد سے  
آراستہ ہو گئی تھی۔



## حضور کی غیبی قوت اور اک کی پانچویں دلیل

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث، مروی ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر افطار کے پہلے در پہلے روزے رکھنا شروع کئے جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا تو وہ بھی حضور کی پیروی میں اسی طرح کار و روزہ رکھنے لگے جب ان کے صنعت و نقابہ سے حضور کو ان کے روزے کا علم ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا لَا تَوَاصِلُوا اَسْسَ طَرَحَ كَارِ وَزِهِ مَتَّ رَكُوْا۔ اس کے بعد حضور نے ان کے اس جد پر شوق پر تکیں کام ہم رکھنے ہوئے ارشاد فرمایا: لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنَّ اُمِيَّتٌ وُطِعَتْ رَافِي وَ يَسْتَفِيحِي۔ ہیں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اس کے بعد فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں۔

اس کھانے پینے کی حقیقت دوسروں کو کیا معلوم ہو سکے۔ اگر وہ ہمارے کھانے پینے کی جنس سے ہوتا تو صوم وصال ہی کیوں کہا جاتا اور لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ کیوں فرماتے اور تعجب نہیں کہ وَفَرَّقَ عَبِيَّتِي فِي التَّلَوَةِ سے اسی کی طرف اشارہ ہو۔ ص ۹۲



حضرت فاضل مصنف نے آیت کریمہ **إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ** سے متعلق ایسے ایسے نادر و گرانمایہ نکات سپرد قلم فرمائے ہیں کہ صفحہ قرطاس پیراہن گل کی طرح بہکنے لگا ہے پڑھئے اور سر دھوئے! ارشاد فرماتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ "بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر۔" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے درود بھیجنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے تو انہیں اپنی طرف منسوب کر کے اپنا فرشتہ کہا ہے حالانکہ دیکھا جائے تو سارے فرشتے اللہ ہی کے ہیں۔ اور جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے کا ذکر کیا ہے وہاں صرف مَسْجِدًا الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ اٰجِعُوْنَ۔ فرمایا ہے۔ یعنی سارے فرشتوں نے انہیں سجدہ کیا۔ وہاں فرشتوں کی اضافات اپنی طرف نہیں فرمائی ہے۔

اس نکتے کے بعد حضرت مصنف کا یہ عفت شکن تاثر یا نہ ملاحظہ فرمائیں :



اب ہم اُن حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرچند اں ضروری نہیں ہے کہ کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے۔ کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لئے اپنا صلوة بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں محکم ہونی چاہیے تھی۔ لیکن جب ان کے دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جو قدردانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بالکل منافی دعوائے عظمت کبریائی ہے۔

اس کے بعد غیرت حق میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا یہ تیور ملاحظہ فرمائیے !

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جلد اہل اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔

اس کی مثال بعینہ ایسی ہوئی جیسے کفار مکہ حق تعالیٰ کو ضامن ارض و سما کہتے تھے مگر بت پرستی اور اس کے لوازم ان کے اس قول کو باطل کئے دیتے تھے۔

(ص ۱۱)



اور حضرت مصنف کی تنبیہات کا یہ حصہ بھی دیدہ وصالان سے پڑھنے کے قابل ہے۔  
فرماتے ہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کوئین جن سے ہر طرح کی  
امیدیں وابستہ ہیں ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی  
کچھ پروا نہ کی جائے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اعزازات قصور ہو بلکہ مخالفت  
میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ حضور کی  
رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں شرعی قباحت لازم آجائے گی۔  
لَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ (متا)

### دوسرا نکتہ

آیہ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ يَعْزِلُوْنَ عَلٰی الْمُنٰفِقِیْنَ یعنی بیشک اللہ اور اس  
کے تمام فرشتے نبی پرورد و بھیجتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں کلام کا آغاز ان سے ہوا ہے عربی  
زبان میں لفظ ان ازالہ شک کے لئے آتا ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ  
تھے جن کے شک اور تردد کو اس کلام قدیم میں ملحوظ رکھا گیا ہے اور ان کے ذریعہ ان کے  
تردد اور شک کا ازالہ کیا گیا ہے۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ عیسٰی زمانے میں اس آیت کریمہ کا نزول ہوا۔ اس وقت  
تین ہی گروہ تھے۔ یہود گروہ صحابہ کرام کا تھا، دوم اگر وہ کھلے کفار و مشرکین کا تھا اور تیسرا گروہ  
منافقین کا تھا جو اندر سے کافر و منکر اور اوپر سے مدعی اسلام تھے۔ قرآن اور احباب قرآن  
پر صحابہ کا ایمان اتنا پختہ اور مستحکم تھا کہ وہاں شک اور تردد کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ اب  
وہ گئے کھلے کفار تو وہ سرے سے اس آیت کریمہ میں مخاطب ہی نہیں ہیں اس لئے ان کے  
انکار و شک کے ازالہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب لے دے کے منافقین ہی کا طبقہ ایسا ہے کہ ایک طرف وہ قرآن پر ایمان لانے  
کے بھی مدعی تھے اور دوسری طرف اپنے دلوں میں کفر و انکار کا عقیدہ بھی چھپا کر رکھتے تھے۔



اب جہا ہے اس دور کے منافقین ہوں یا بعد میں آنے والے اس قماش کے لوگ ہوں اس آیت کریمہ میں انہی لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب سب کا حاکم و مالک اور اس کے تمام فرشتے دائماً درود میں مشغول ہیں تو سلطنت الہیہ کی وفادار رعایا کا فرض کیا ہونا چاہیے۔ اور اس کے محبوب کی عظمت کس قدر ان کے دلوں میں راسخ ہونی چاہیے اور کس درجہ درودِ سلام کا انہیں اہتمام کرنا چاہیے۔ پھر ملار اعلیٰ کی پیروی کا استحقاق تو اپنی جگہ پر ہے لیکن صراحت کے ساتھ دربار سلطانی سے حکم بھی صادر ہو گیا تو اب لیت و لعل کی کیا گنجائش رہ گئی۔ اتنی تاکید و تاکید کے بعد بھی اگر نبی کی عظمت کے آگے کسی کا دل نہ جھکے تو سمجھ لیجئے کہ اس کے انجام پر بد بختی کی ہر لگ گئی۔

### تیسرا نکتہ

آیت کریمہ میں یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا (اے ایمان والو) کے قول بالذات مخاطب مومنین صحابہ ہیں اور وہی لوگ اس خطاب کی لذت سے بھی واقف ہیں اور درود شریف کی عظمت کو بھی جانتے ہیں۔ ان کے علاوہ قیامت تک پیدا ہونے والے اہل اسلام ان کے طفیلی ہیں۔ یہیں سے یہ شناخت بھی قائم ہو گئی کہ جن کے دلوں میں درود سلام کی عظمت نہیں ہے وہ اس خطاب کے اہل ہی نہیں ہیں۔

ہم تو بہر حال انہیں اہل نہیں سمجھتے لیکن مقام عبرت یہ ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کا مخاطب نہیں گردانتے۔ کیونکہ اگر وہ لوگ اپنے آپ کو اس کا مخاطب سمجھتے تو درود و سلام کا ہر گز انکار نہیں کرتے چاہے بیچ کر پیش کرنے کا موقع ہو یا کھڑے ہو کر، ایسے لوگ اگر اس آیت کریمہ کی تصدیق بھی کریں تو انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مخالفت و انکار کے ساتھ تصدیق قلبی ہرگز مفید نہیں ہے۔ جب خدا نے درود و سلام کو کسی ہیئت خاص کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے جواز کے لئے بیٹھنے کی قید لگائیں اور کھڑے ہو کر پڑھنے سے انکار کریں۔ جبکہ ہمارا مشرب یہ ہے کہ ہم دونوں ہیئتوں میں سے کسی ہیئت کو نہ فرض کہتے ہیں، نہ واجب نہ حرام بلکہ جس درجہ اطلاق میں حکم الہی ہے اسی درجہ میں اسے رکھتے ہیں۔ دراصل بحث کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب کوئی کھڑے ہو کر درود و سلام پڑھنے کو حرام کہنے لگتا ہے۔



### چوتھا نکتہ

بخاری شریف میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کے سامنے عرض کیا اَلَا نَتَّ بِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَبَّ اِلَىَّ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِيْ۔ حضور ! بلاشبہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سو اُنے اپنی جان کے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے عرض کیا وَاللّٰہِ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ لَوْ نَتَّ اَحَبَّ اِلَىَّ مِنْ نَفْسِيْ۔ قسم ہے اس ذات کبریٰ کی جس نے آپ پر کتاب اتاری اب آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد فرمایا اے عمر ! اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔ سبحان اللہ ایک ہی بول میں دل کی گرہ کھل گئی۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ پھر جسے یہ سعادت نصیب ہے اُسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ درود و سلام میں کس درجہ اہتمام کرنا چاہیے۔

کیونکہ درود و سلام بھی ایک دعا ہے جس کے ذریعہ نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خداوند قدوس سے علوئے شان اور رفعت مکان کی دعا کی جاتی ہے۔ اور فطرت انسانی کا دستور یہ ہے کہ آدمی سب سے پہلے اپنی جان کے لئے دعا کرتا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو اقتضائے فطرت انسانی درود شریف کو اپنی جان کے لئے کی جانے والی دعا پر بھی مقدم رکھنا چاہیے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو یا تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے یا وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے۔ دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو ہلاکت اس کا مقدر ہے۔



## درود بھیجنے کے مواقع

حضرت فاضل مصنف نے صراحت فرمائی ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اوقات معین فرمائے ہیں ویسے ہی درود شریف کے اوقات بھی معین فرمائے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اوقات نماز کا تعین تو اترے ثابت ہے اور درود شریف کے اوقات کا تعین اخبار اکھاد سے ہے۔ گو اس طرح کی تمام حدیثیں الگ الگ خبر واحد ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کا جائزہ لیا جائے تو بتواتر معنوی یہ بات ضرور ثابت ہو جائے گی کہ درود شریف کی کثرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت پسند ہے۔ علامہ سخاوی نے بھی اپنی موقر کتاب القول المفید میں درود و سلام کی کثرت کو اہل سنت ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

اب ذیل میں وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں درود شریف کے اوقات کا تعین فرمایا گیا ہے۔

### پہلی حدیث

محدث طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا اَلَا وَضُوءٌ لِمَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي اس شخص کا وضو نہ ہوگا جو وضو کرتے وقت نبی پر درود نہ بھیجے۔ اس حدیث میں وضو کی نفی سے وضوئے کامل کی نفی مراد ہے۔

### دوسری حدیث

حضرت امام فاکہانی نے اپنی گراند قدر تصنیف الفجر المشریق میں حضرت ہبل ابن سعد



بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ ساری کتب صحاح میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

إِذَا سَمِعْتُمُ الْمَظْلُومَ فَقُولُوا  
مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ  
فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا

جب تم اذان سنو تو جواب میں مؤمنین کے کلمات کو دہرائے پھر جب اذان ختم ہو جائے تو مجھ پر درود پڑھو کہ جو ایک بار درود پڑھیں پھر مجھے گناہ اس پر اللہ تعالیٰ دس بار ایسی رحمت نازل فرمائے گا۔

حضرت علامہ نذرقانی نے حضرت ابوسعید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مجلس میں لوگ بیٹھیں اور اس میں درود شریف نہ پڑھیں تو وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی پچھتائیں گے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ اَنْ عَلَيْهِمْ حَسْرَةٌ وَاَنْ يَّكُوْنُوْا فِيْ جَهَنَّمَ۔ جنت میں داخل ہونے کے بعد پچھتاؤ اس لئے ہوگا کہ وہ وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ درود شریف پڑھنے پر کیسے کیسے اجر و ثواب کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے جسے حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی ہے۔ جس میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس مجلس میں لوگ قیام جو کر اللہ کا ذکر کریں لیکن اسے نبی پر درود و سلام نہ بھیجیں تو ایسی مجلس ضرور ان کے واسطے نقصان کا باعث ہوگی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **كَانَ خَالِصًا إِلَيَّ الْجُلُوسُ عَلَيْهِمْ نَدَاءٌ**۔



دلوں میں کچھ بھی خوف آخرت ہو تو ان احادیث کی روشنی میں اُن لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو مجالس ذکر میں درود و سلام کا اتنی شدت کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ جیسے ہی لوگ درود و سلام پڑھنے کے لئے کھڑے ہو گئے وہ وحشی جانوروں کی طرح مجالس سے بھاگنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان احادیث کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف میلاد کی محافل ہی میں نہیں بلکہ ہر مجلس میں بھی پر درود و سلام پڑھنا دین کی سعادت ہے۔

### پانچویں حدیث

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَا مِمَّا غَدَا النَّفْسُ سَاجِدٌ ذُكِرْتُ عَنْهُ هَذَا فَكَذِبَ يُصَلِّ عَلَيَّ۔ اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

### چھٹی حدیث

امام سیوطی نے جامع صغیر میں اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی نے جامع کبیر میں حضرت ابو رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا کان بچنے لگے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود پڑھے۔ اور اس کے بعد یہ الفاظ کہے۔ ذُكِرَ اللَّهُ مَن ذَكَرَنِي بِخَيْرٍ اللَّهُ أَسَّ يَادُكَرُ حَسْبُ خَيْرٍ کے ساتھ مجھے یاد کیا۔

### ساتویں حدیث

المواہب اللدنیہ میں حضرت ابو موسیٰ المدنی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا : اِذَا تَسَبَّحْتَ شَيْئًا فَصَلِّ عَلَيَّ تَدْرُكُ رُوحَ النَّبَاءِ اللَّهُ۔ جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھو انشاء اللہ وہ چیز تمہیں درود شریف کی برکت سے یاد آجائے گی۔



## آنکھوں حدیث

تراو المعاد میں حضرت اوس ابن اوس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن انھوں نے انتقال کیا اور اسی دن صور بھونکا جائے گا اور اسی دن لوگوں پر بیہوشی طاری ہوگی۔ اس لئے جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو **يَا نَبِيَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَصَلِّ وَسَلِّمْ** کیونکہ تمہارا درود اس دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کے پر وہ فرمانے کے بعد ہمارا درود آپ کے سامنے کیونکر پیش کیا جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے اس لئے ہر نبی اپنی قبر میں زندہ ہے اور اسے روحانی غذا دی جاتی ہے۔

امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اتنا اضافہ کیا ہے 'مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اس لئے کہ **اقول من تسئلون فی القبر عسی فی قبریں سب سے پہلے میرے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔**

## چند مقامات کی اور نشاندہی امام سخاوی کے قلم سے

درود شریف پڑھنے کے ان مواقع کے علاوہ حضرت امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں انہی مواقع اور گناکے ہیں اور ہر موقعہ کو احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے۔ ان میں سے خاص خاص مقامات کی ذیل میں نشاندہی کی جاتی ہے۔

- (۱) تہجد کے لئے اٹھتے وقت (۲) کسی مسجد میں داخل ہونے کے وقت (۳) جب میت کو قبر میں اتارا جائے (۴) جب کعبہ شریف پر نظر پڑے (۵) حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت (۶) عرفات میں دوپہر کے بعد (۷) جب مدینہ کا مقدس شہر نظر آنے لگے۔
- (۸) جب حضور کے تبرکات کی زیارت کا موقع ہو (۹) جب سونے کا ارادہ کریں (۱۰) سفر کے لئے گھر سے نکلنے وقت (۱۱) سواری پر سوار ہوتے وقت (۱۲) جب اپنے گھر میں داخل ہو۔
- (۱۳) جب غم، سختی یا کسی مصیبت کا سامنا ہو (۱۴) دعا کے شروع اور اخیر میں (۱۵) جب پاؤں سن ہو جائے (۱۶) جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو (۱۷) جب کوئی حاجت پیش آجائے۔



(۱۸) گناہ سے توبہ کرتے وقت (۱۹) جب کسی پر تہمت لگا دی اور وہ اس سے پاک ہو۔  
(۲۰) ختم قرآن کے بعد (۲۱) جب قلم سے حضور کا نام مبارک لکھیں (۲۲) جب دینی کتابوں کے سبق کا آغاز ہو۔

### حاصل بحث

ان ساری حدیثوں سے یہ بات تو اتر معنوی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ درود شریف کی کثرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند ہے اور حضور اپنی امت کو دنیا و آخرت میں درود شریف کی لامحدود برکتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں اور مالک کائنات کی خوشی بھی اسی میں ہے کہ ملا اعلیٰ کی طرح زمین کی سلطنت میں بھی درود و سلام کے ملکوتی نغموں کی دھوم ہر وقت مچتی رہے۔

### فاضل مصنف کی ایک عبرت آموز نصیحت

اس بحث کے خاتمے پر حضرت مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان کی ایک عبرت آموز نصیحت اپنی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

صرف ایک یا دو بار درود شریف ادا کئے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہو جائے مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خلاف مرضی حق تعالیٰ بھی ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلک (صفحہ ۱۳۹)



## سلام کی بحث

اس عنوان کے ذیل میں فاضل مصنف نے عشق و عقیدت اور علم و فضل کے ایسے ایسے گل بوٹے کھدائے ہیں کہ ان کی خوشبو سے کاغذ کا پیراہن تک معطر ہو گیا ہے۔ ان مہکتے ہوئے پھولوں کی روشنی سے گزرتے ہوئے اپنی ایمان کے کیف و سرور کا کیا عالم ہو گا اسے ہم اپنے قارئین کرام کے باطنی احوال کے حوالہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

سب سے پہلے حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سلام کے موضوع پر ان علمی نکات کا مطالعہ کیجئے جن سے بد بختیوں کی ساری گرہیں کھل جائیں گی۔

### پہلا نکتہ

کتاب الشفا میں حضرت قاضی عیاض کی صراحت کے مطابق السلام علیک کے معنی یہ ہیں کہ تم سلامت رہو یا ہم تمہارے فرماں بردار اور راضی برضا ہیں۔ اس اجمال کے بعد اب تفصیل کی طرف آئیے۔

جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں اپنے مخاطب کو یقین دلاتا ہے کہ میری طرف سے تمہاری سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسی لئے مخاطب پر بھی واجب ہے کہ وہ اُن ہی الفاظ میں جواب دے کہ اپنی طرف سے بھی اپنے مخاطب کو سلامتی کا یقین دلائے۔

چنانچہ عرب کے بدویوں تک میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی کو سلام کرتے ہیں یا سلام کا جواب دیتے ہیں تو اب اسے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچاتے اور جب ضرر پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو نہ سلام کرتے ہیں اور نہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس



سے معلوم ہوا کہ "سلام" دل کے اخلاص و محبت کا ترجمان ہے۔

اس تہید کی روشنی میں اب بحث کا یہ رخ سمجھے کہ جو انتی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں یقین دلاتا ہے کہ نبی کی عزت و حرمت میری طرف سے بالکل محفوظ ہے۔ میں کوئی ایسا اقدام نہیں کروں گا جس سے نبی کی عظمت کو ٹھیس پہنچے۔ اور جو سلام سے انکار کرتا ہے یا سلام کرنے میں پس و پیش کرتا ہے وہ دوسرے لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ اپنے نبی کی طرف سے اس کے دل کا ارادہ اچھا نہیں ہے۔

آپ اخلاص کے ساتھ آیت کریمہ کے الفاظ پر غور فرمائیں تو یہ نکتہ اور واضح ہو جائے گا۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے ہی پر درود بھیجتے ہیں۔ پس اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جس طرح سلام بھیجنے کا حق ہے۔

غور فرمائیے اس آیت پاک میں اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف صرف درود کی نسبت ہے لیکن مومنین سے درود کا بھی مطالبہ ہے اور سلام کا بھی۔ آپ گہرائی میں اتریں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ جس سے خطرہ ہوتا ہے وہیں تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جہاں سے کوئی خطرہ نہیں ہے وہاں کسی طرح کی پیش بندی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

ظاہر ہے کہ نبی کی عزت و حرمت کو نہ اللہ کی طرف سے کوئی خطرہ ہے اور نہ فرشتوں کی طرف سے خطرہ جو کچھ بھی ہے وہ انسانوں کی طرف سے ہے۔ اس لئے درود کے ساتھ ساتھ ان سے سلام کا مطالبہ بھی ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی کو سلام کر کے تم اس بات کا اعلان کرو کہ تمہاری طرف سے نبی کی عزت و حرمت کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔ اب کوئی انتی نبی کا دل سے جاں نثار ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ نبی کو سلام کرنے سے گریز نہیں کرے گا بلکہ سلام کرنے کے لئے اگر جنگ کی نوبت آگئی تو اس مرحلہ سے بھی وہ



گزر جائے گا لیکن نبی کی طرف جن کے دل کے ارادے اچھے نہیں ہیں وہ یا تو سلام کرنے سے صاف انکار کر دیں گے یا حالات کا دباؤ بڑا تو گریز کا راستہ اختیار کریں گے۔ سلام تو التجیات میں بھی پڑھا جاتا ہے لیکن بالکل آہستہ پڑھا جاتا ہے اس لئے وہاں دل کی بیماریوں کی شناخت بہت مشکل ہے کہ اس نے سلام پڑھایا نہیں ہے لیکن باواز بلند سلام پڑھتے وقت دلوں کی چوری مشکل ہی سے چھپے گی۔ کچھ بعید نہیں کہ باواز بلند سلام کی ترویج میں بھی مصلحت ہمارے ائمہ و اکابر کے پیش نظر ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

### دوسرا نکتہ

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) میں تشریف لے گئے۔ یکایک حضور کی پیشانی سجدہ ریز ہو گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اسی حالت میں حضور انتقال تو نہیں فرما گئے۔ کافی دیر کے بعد جب حضور نے سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل امین ابھی میرے پاس تشریف لائے تھے۔ انھوں نے خداوند ذوالجلال کی طرف سے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ مَنْ صَلَّى عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْكَ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْكَ (مسواہ احمد) کہ جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں سلام کے ساتھ اس کا جواب دوں گا۔

فاضل مصنف اس حدیث کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کس قدر حیرت و مسرت کی بات ہے کہ سلام کرنے والے خدا کے حبیب کو سلام کرتے ہیں اور سلام کا جواب رحمت فرماتا ہے مالک بے نیاز۔ اس سے محبوب و محب کے درمیان اس غایت قرب کا پتہ چلتا ہے جو بندوں کے فہم و ادراک سے ماورا ہے۔ محبوب و محب کے درمیان ایسا رشتہ وہیں متصور ہے جہاں اپنائیت نقطہ انتہا پر پہنچ گئی ہو۔ کسی بندے کی اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند ذوالجلال اسے سلام کرے۔ اپنے نبی کی



جلالتِ شان پر نثار ہو جانے کی بات ہے کہ ان کے صدقہ میں امت کو کس کس اعزاز سے پروردگار نے نوازا ہے۔

مصنف کتاب نے اپنے قارئین کو متنبہ کیا ہے کہ "خدا اسلام کا جواب دیتا ہے" سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حضور اسلام کا جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ بہت سی حدیثوں میں اس بات کی صراحت آئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نفس نفیس اسلام کا جواب مرتب فرماتے ہیں۔ اب نبی کو سلام کرنے والے کی معاونت و فیروز بخشی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی سلام بھیجتے ہیں اور خداوند ذوالجلال بھی سلام بھیجتا ہے۔ ان حدیثوں سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو "یا نبی سلام علیک" سے انکار کیے اپنے آپ کو خدا کے سلام سے بھی محروم رکھتے ہیں اور نبی کے سلام سے بھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

### تفسیر النکۃ

امام احمد، طبرانی، بیہقی، اور بغوی نے یحییٰ ابن مرہ ثقفی سے روایت کی ہے کہ ایک بار ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ حضور نے قیام فرمایا۔ حضور خوابِ استراحت میں تھے کہ ہم لوگوں نے دیکھا کہ ایک درخت زمین کو چیرتا پھاڑتا، جھومتا جھامتا آیا اور حضور کو اپنے سایہ میں ڈھانپ لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ پر واپس لوٹ گیا۔

جب حضور بیدار ہوئے تو ہم لوگوں نے حضور سے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: "هِيَ شَجَرَةٌ اسْتَأْذَنَتْ رَبَّهَا قِيَامًا تَسْأَلُهُ عَلَى كَذِبٍ لَهَا"۔ "یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے رب سے مجھے سلام کرنے کی اجازت طلب کی اور اسے اجازت مل گئی۔" مقامِ غور ہے کہ درخت جو نہ ذوی العقول ہے اور نہ احکامِ شرع کا مستفید ہے وہ نبی پاک کے حضور میں سلام پیش کرنے کی اجازت خدا سے طلب کرتا ہے اور وہ بھی ان کے قریب جا کر۔ اور غالباً یہ اجازت ہی کا ثمرہ ہے کہ اسے زمین شبنم کرتے ہوئے حاضریہ گاہ پہنچنے کی قدرت بھی عطا کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس واقعہ میں درخت کا پہل کر آنا پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں نہیں تھا کہ اُسے نبی کا معجزہ قرار دیا جائے۔ بلکہ خود اس درخت کی آرزو کے شوق کی



تکمیل کے لئے اسے خدا کی طرف سے یہ قدرت عطا ہوئی ہے۔

اس واقعہ سے اُن سبہ بختوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے جو حضور پاک کو سلام کرنے میں آنا کافی کرتے ہیں اور سلام سے روکنے کے لئے طرح طرح کا بکھڑا کھڑا کرتے ہیں کہ ایک بے شعور درخت اس سعادت کے حصول کے لئے کس درجہ حساس ہے کہ وہ بھی کو سلام کرنے کے لئے خدا سے توفیق طلب کرتا ہے اور یہ علم و شعور والے بندے ہیں جو خدا کے حکم صریح کے باوجود سلام سے انکار کرتے ہیں۔

### سلام کی اہمیت پر دلائل کے انبار

حضرت مصنف کی علمی جلالت کو سلام کیجئے کہ انھوں نے سلام کی اہمیت پر دلائل و براہین کی ایسی فصل لگائی ہے کہ دیدہ و شوقیہ دیکھئے اور ان کی بہاروں کا لطف اٹھائیے۔

### پہلی دلیل

فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

یہاں یہ امر پیش نظر ہے کہ سلام کی کس قدر وقعت ہے کہ عین نماز میں اسے ضروری ٹھہرایا گیا حالانکہ نماز عبادت محض ہے۔ ظاہر ہے کہ عبادت میں توجہ صرف معبود حقیقی کی طرف ہونی چاہیے۔

اگر کہا جاوے کہ وہ سلام جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے۔ یعنی "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" اس سے نبی کو خطاب مقصود نہیں بلکہ شب معراج کی حکایت مقصود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو اس صورت میں التحیات کا کچھ مطلب ہی نہیں ہوا صرف الفاظ ہی رہ گئے۔

اسی طرح نہ التحیات سے تمام تحیات اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کا اعتراف ہوا اور نہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰہ سے عقیدہ توصید پر شہادت ہوئی۔ حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات کی تعلیم



فرمائی تو یہ نہ کہا کہ شبِ معراج میں اس طرح کا مخاطبہ ہوا تھا اور بطور  
حکایت اس کو پڑھنا چاہیے۔ ص ۱۲۶

اس دعوے پر کہ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ سے خطاب مقصود ہے شبِ  
معراج کے واقعہ کی نقل مقصود نہیں ہے۔ حضرت مصنف کی یہ پہلی دلیل ہوئی۔ آگے چل کر  
پھر اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں،

ہر چند الفاظ التحیات کے مختلف طور پر وارد ہیں لیکن جن احادیث  
میں السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے  
منقول ہے ان احادیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ،  
امام احمد، ابن حبان، ابن ابی شیبہ اور عبد الرزاق نے روایت کی ہے۔  
جیسا کہ کنز العمال میں اس کی تفصیل موجود ہے۔  
لیکن ان تمام روایات میں کسی روایت میں بھی اس بات کا ذکر نہیں  
ہے کہ وہ سلام بطور حکایت پڑھا جاوے۔ پھر جب حکایت ہونا اس کا  
ثبوت نہ ہوا تو اس کے معنی مقصود بالذات ہوئے۔ جس سے ثابت ہوا  
کہ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ کو بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشا  
کہا جائے گا۔ جیسا کہ شیخ عابد سندھی نے اپنی کتاب طوایح الانوار شرح  
در مختار میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ص ۱۴۱)

### دوسری دلیل

اس دعوے پر کہ التحیات میں السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّہَا النَّبِیُّ سے شبِ معراج  
کے واقعہ کی حکایت مقصود نہیں ہے بلکہ نمازی بالقصد حضور کو بحالت نماز اپنی طرف سے  
خطاب کرتا ہے اور انہیں اپنا سلام پیش کرتا ہے، حضرت مصنف کی یہ دوسری دلیل ہے۔  
ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع شروع میں صحابہ کرام اَسْلَمُوا عَلٰی فُلَانٍ وَفُلَانٍ



کہا کرتے تھے۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم السَّلَام عَلَیْنا وَعَلَیْ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ کہنا کرو۔ جب تم یہ کہو گے تو تمہارا سلام جملہ انبیاء و مرسلین، سارے ملائکہ اور تمام عباد صالحین کو پہنچ جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ سلام بطور حکایت واقعہ نہیں ہے۔

مصنف کتاب ارشاد فرماتے ہیں کہ عَلَیْ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ میں اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں مگر چونکہ یہ سلام حضور کو ضمنی ہوا اور اس طرح کے سلام میں حضور کی کوئی خصوصیت نہیں رہی اس لئے حضور کے مقام کی عظمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ نمازی حضور کی طرف متوجہ ہو کر خاص خطاب کے ساتھ حضور کو سلام کرے۔

یہاں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ جیسے السَّلَام عَلَیْنا وَعَلَیْ عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ میں سلام کا صدور بالقصود ہے اسی طرح السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ میں بھی بالقصود سلام کے ساتھ حضور مخاطب ہیں۔ اور تکمیل تہجد کے طور پر حضور کے سلام میں وَرَاحَتُکَ اللّٰهُ وَبَرَکَاتُکَ کا بھی اضافہ ہے۔

### تیسری دلیل

حضرت فاضل مصنف اپنے اس دعوے پر کہ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ میں نمازی کی طرف سے حضور کو بالقصود خطاب کر کے سلام پیش کرنا مقصود ہے، واقعہ معراج کی حکایت مقصود نہیں ہے، تیسری دلیل پیش کرتے ہیں۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ السَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کی روایت بتواتر لفظی حدیث متواتر کے درجہ میں ہے اگر اس سے خطاب اور ندا کے معنی مراد نہ لئے جائیں تو حدیث متواتر کے مفہوم میں ایک طرح کا نسخ لازم آجائے گا۔ اور اصول فقہ کے مطابق ضروری ہے کہ دلیل نسخ بھی ویسے ہی قطعی ہو۔ اور شب معراج کا مخاطب اگر احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہو جائے جب بھی حدیث متواتر کا نسخ اس سے نہیں ہو سکے گا کیونکہ اس مفہوم کی ساری حدیثیں احادیث ان میں حدیث متواتر جیسی قطعیت نہیں ہے۔ اتنی تفصیل کے بعد حضرات فاضل مصنف ایک علمی نکتہ یہد اگر کے اپنے دعوے



کی صحت کو اس لفظ انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ اب سوائے تسلیم کے مسکین کے لئے کوئی راہ فرار باقی نہیں ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

التحیات میں خطاب و ندا کے جو معنی تو اتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کے نسخ کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت کیا جائے۔ اور اِذْ لَيْسَ فَلَیْسُ یعنی جب بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت نہیں ہے تو السلام علیک آیہا الذی میں ندا اور خطاب کے معنی کا نسخ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ ص ۱۴۵

### چوتھی دلیل

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی طرف سے یہ چوتھی دلیل ہے۔ ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری، نسائی اور ابن ماجہ کے روایت کے مطابق جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَیْکَ النَّبِیُّ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے۔ صلوٰۃ کا طریقہ ارشاد فرمایا۔ حضور نے فرمایا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھا کرو حکم صلوٰۃ کی تعمیل ہو جائے گی۔ امام بیہقی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے سوال میں جس سلام کے جاننے کا ذکر کیا تھا وہ تشہد والا سلام ہے۔ اور انہوں نے اسی سلام کو وَسَلِّطُوا کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ سمجھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک تشہد والا سلام خطاب و انشا کے طور پر تھا حکایت واقعہ کے طور پر نہیں تھا۔ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کسی حکم کی تعمیل کے لئے انشا کی ضرورت ہے حکایت مفید نہیں۔

### پانچویں دلیل

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی یہ پانچویں دلیل ہے۔



ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت کے مطابق صحابہ کرام حضور کی حیات ظاہری میں تشہد کے اندر السلام علیہا ایہا النبی خطاب اور ندا کے ساتھ پڑھا کرتے لیکن حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا تو انہوں نے اسے بدل دیا اور السلام علی النبی کہنے لگے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے بھی بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری	إِنَّ الصَّحَابَةَ كَانُوا
میں صحابہ کرام التحیات میں السلام	يَقُولُونَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ
علیک ایہا النبی پڑھا کرتے تھے	عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّلَامِ
لیکن جب حضور نے پردہ کر لیا تو	عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ فَلَمَّا
انہوں نے اسے بدل دیا اور	كَانَتْ قَائِلُوا السَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ
السلام علی النبی کہنے لگے۔	(د اسنادہ صحیح)

اس واقعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ صحابہ کرام کے نزدیک تشہد بطور انشا تھا بطور حکایت نہیں تھا۔ کیونکہ اگر بطور حکایت ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد خطاب اور ندا والے الفاظ کو بدلنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

### ایک شبہ اور اس کا جواب

اس مقام پر کسی کو بھی یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ تبدیلی کے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد انہیں خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے خطاب اور ندا والا صیغہ بدل دیا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ الفاظ بدلنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ صحابہ کرام حضور کے وصال شریف کے بعد پھر خطاب و ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ غایت عشق اور کمال قرب کی وجہ سے حضور کی مفارقت کا صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ عام صحابہ کے علاوہ خواص بھی بیٹا بیوں کے اضطراب کی اتنی دردناک کیفیت



سے دوچار تھے کہ لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ بعض صحابہ تو اتنے خود رفت ہو گئے تھے کہ اس خبر پر وہ بھی یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

یہاں تک کہ کثر العمال کی روایت کے مطابق حضور کے وصال شریف کے بعد جب سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان دی تو سارے مدینہ میں کہرام مچا ہو گیا اور وہ خود غم سے غش کھا کر گر پڑے۔ کیونکہ جب وہ اذان دیتے وقت اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کہتے تھے تو اپنی انگشت شہادت سے حضور کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد انھوں نے اذان دینے سے انکار کر دیا۔ امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اصرار کیا تو انھوں نے معذرت کر لی کیونکہ ان کے اندر اس صدمہ کی تاب ضبط نہیں تھی کہ وہ حضور کی طرف اشارہ کریں اور حضور پیش نظر نہ ہوں۔

اور مواہب لدینہ کی روایت کے مطابق ایک صحابی رسول حضرت عبد اللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے جب انھیں خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو انھوں نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دُعا مانگی اَللّٰهُمَّ اِذْهَبْ بَصْرِيْ لَوْ اَمْرِيْ بَعْدَ حَبِيْبِيْ مُحَمَّدٍ اَحَدًا۔ ”یا اللہ! میری آنکھ کی بینائی زائل کر دے کہ میں اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا چہرہ نہ دیکھوں!“۔

راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی انھوں نے اپنی دعا ختم کی تَنْكَفَتْ بَصْرُهُ اِی غِیْثٍ فوراً ان کی بینائی زائل ہو گئی اور وہ مکمل طور پر نابینا ہو گئے۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی تو آدمی ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کا صدمہ جانوروں پر بھی پڑا۔ چنانچہ حضور پاک کی سواری کا جانور جب اس صدمے کی تاب نہ لاسکا تو ایک کنوئیں میں گر کر اپنی جان دیدی۔ مقام غور ہے کہ جب جانوروں تک کا یہ حال ہو تو ان جانبازان خستہ جگر کا کیا حال ہوا ہوگا جنھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم بلکہ اپنی جہان سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

اسی درد انگیز اور المناک کیفیت کا ردِ عقل تھا کہ صحابہ کرام کے اندر حضور کو خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کی تاب نہیں تھی کیونکہ خطاب اور ندا حضور ہی کو چاہتا ہے اور اس سے جدائی کا غم تازہ ہوتا تھا اس لئے صحابہ کرام کے سلام میں خطاب اور ندا کے



لفاظ بدل دیئے۔

اس کے بعد حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں :

الحاصل کمال رنج و غم کے سبب سے اوائل میں بعض صحابہ نے خطاب اور ندا کو ترک کر دیا تھا پھر جب وہ حالت بسبب امتداد زمانہ کے فرو ہو گئی تو بحسب تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اسی طور پر بعینہ خطاب و ندا پڑھنا شروع کیا جیسا کہ یہ عمل آج تک جاری ہے۔ ص ۱۵۳

### اس دعوے کے ثبوت میں تین وجہیں

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حضرت فاضل مصنف نے تین وجہیں بیان کی ہیں۔

#### پہلی وجہ

بروایت متعدده ثابت ہے کہ حضرت صدیق اکبر حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ ابن زبیر برسر منبر علی رؤس الاشهاد اپنی اپنی خلافتوں میں التحیات کی تعلیم بلفظ السلام علیہا النبی دیا کرتے تھے۔ اور یہ تعلیم کچھ ایسی نہ تھی کہ کسی پر پوشیدہ رہ جاتی۔ پھر اگر کسی کو خطاب اور ندا میں کلام ہوتا تو ضرور کہہ دیتے۔ کیونکہ صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ کسی واقعہ کو خلاف واقعہ سن کر خاموش رہ جائیں۔ خصوصاً ایسا مسئلہ کہ جس میں آخری زمانہ والوں کے خیال کے مطابق شرک کا اندیشہ ہے۔ ص ۱۵۴

#### دوسری وجہ

خود حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین کو اسی



التحیات کی تعلیم دیا کرتے تھے جس کی تعلیم ان کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ جیسا کہ خود فتح القدیر میں حضرت ابن ہمام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔  
ص ۱۵۵

### تیسری وجہ

اگر اس تبدیلی میں لحاظ خطاب اور ندا کا تھا تو یہ سبب قبل انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی موجود تھا اس لئے کہ صحابہ اکثر اپنے اسفار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب بھی ہوتے تھے۔ پس اس صورت میں لازم آتا ہے کہ حالت غیبت میں التجزئات بصیغہ خطاب و ندا نہ پڑھتے ہوں حالانکہ یہ بات کسی سے بھی مروی نہیں ہے۔

بلکہ خود حدیث میں یہ تصریح گزری کہ بعد وفات شریف خطاب و ندا کا صیغہ بدلا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ تبدیلی کا سبب ندا و خطاب نہ تھا بلکہ وفات شریف کا صدمہ تھا۔

پس ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اول تو جملہ صحابہ نے صیغہ بدلا ہی نہیں اور بعضوں نے جو بدلا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ بعد وفات شریف کے خطاب و ندا جائز نہیں۔ اور پھر چند روز کے بعد بدلنے والے بھی آنحضرت کی تعلیم کے مطابق التحیات بصیغہ خطاب و ندا پڑھتے اور اس کی تعلیم دیتے تھے۔  
ص ۱۵۶

### ایک لطیف طنز

حضرت فاضل مصنف نے ان لوگوں پر جو ندائے یارسول اللہ کو ناجائز کہتے ہیں



ایک لطیف طنز کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ حصہ انہی کے الفاظ میں پڑھئے :

ندائے غائب کے مسئلہ میں جب اَسْلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں نہ مقصود نہیں بلکہ حکایت ہے مخاطبہ شب معراج کی۔ پھر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا مخاطبہ معراج والی حدیث کو آپ مانتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ حدیث مان لی جائے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر جانا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ سدرۃ المنتہی سے آگے جانے کی کوئی حدیث صحیح یا حسن محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اگر نماز کی التحیات کو مخاطبہ معراج کی حکایت قرار دیں تو چاہیے کہ محکی عنہ کو بھی اپنے قواعد کے مطابق ثابت کریں یا مان لیں اور محکی عنہ کا انکار ہے تو حکایت کا نام نہ لیں۔ اس کا کیا معنی کہ حکایت میں تودہ زور و شور اور محکی عنہ سے بالکل انکار کیا اس کو الفیلہ کی حکایت سمجھی ہے جس میں محکی عنہ سے کچھ بحث نہیں۔ ۱۶۵

### خلاصہ بحث

خلاصہ بحث کے طور پر فاضل مصنف نے اپنے جو احساسات پیش کئے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ سطر سطر سے محبت رسول کی خوشبو اڑ رہی ہے اور لفظ لفظ عشق و ایمان کے آب حیات میں بھیگا ہوا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل ہر مسلمان کو چاہیے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے۔ اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادۃ ہوگا کیونکہ جب شارع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو



اب جتنے خیالات اس کے خلاف ہیں وہ سب یہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون و چرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔

اب یہ بات محسوس کرنی چاہیے کہ جب اس سلام کا مرتبہ ایسا ہو کہ عبادت محض یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۱۶۵

اس کے بعد یہ عبارت بھی جذبہ عقیدت میں سرشار ہو کر پڑھئے۔ سلام کے آداب سکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :

الغرض جب کسی خاص وقت میں سلام عرض کرے تو چاہیے کہ کمال ادب کے ساتھ کھڑا ہو اور دستہ بستہ ہو کر عرض کرے السَّلَامُ عَلَیْكَ يَا سَيِّدَنَا رَسُولَ اللَّهِ، اَسَلَامٌ عَلَیْكَ يَا سَيِّدَنَا سَيِّدَ الْوَلَدِیْنَ وَالْوَخِیْرِیْنَ۔ اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ سلام کرے جن سے حضرت کی عظمت معلوم ہو۔ ۶۶

### ایک اعتراض اور اس کا روح پرور جواب

کھڑے ہو کر سلام پیش کرنے کے سلسلے میں منکرین کے اعتراضات ڈھکے چھپے نہیں ہیں کہ انھیں کوئی خاص اہمیت دی جائے۔ ایک ہی بات بار بار دہرائی جاتی ہے لیکن فاضل مصنف نے ان اعتراضات کے جو جواب دیئے ہیں ان میں فکر و نظر اور علم و تحقیق کی جو ندرت ہے، انھیں پڑھئے اور مردھنئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :



اب یہاں شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قیام عبادت  
 کے مشابہہ ہے اس لئے وہ جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ  
 جب عین عبادت میں یہ سلام جائز ہوا تو مشابہہ بالعبادۃ میں  
 کیونکر جائز نہیں ہوگا۔ (ص ۱۶۶)



## قیام تعظیمی کی بحث

حضرت فاضل مصنف نے قیام تعظیمی کے مسئلہ پر نہایت طویل بحث فرمائی ہے موصوف نے ان ساری حدیثوں کا بھی جائزہ لیا ہے جن میں قیام کی ممانعت آئی ہے اور شروح و احادیث کی روشنی میں ان کی صحیح مراد متعین کرتے ہوئے نہایت وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ان حدیثوں میں مطلق قیام کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اس قیام خاص کی ممانعت ہے جو عجمی بادشاہوں کے دربار میں رائج تھا کہ بادشاہ بیٹھا ہوتا اور لوگ اس کے گرد ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔

یا پھر اس قیام کی ممانعت ہے جو کسی کی تعظیم کے لئے اس کی خواہش پر کیا جائے۔ اس کے بعد حضرت موصوف نے قیام تعظیمی کے جواز پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

## قیام تعظیمی کی پہلی دلیل

بخاری شریف کی مشہور حدیث جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے قبیلہ بنو قریظہ نے جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا حکم مان لیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بلوایا ابھی وہ اپنی سواری ہی پر تھے کہ حضور نے انصار کو حکم دیا کہ قَوْمُوا اِلَی سَعْدٍ کُمْ اپنے سردار کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس حدیث میں نہایت صراحت سے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔ منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت سعد زخمی تھے اس لئے حضور کا منشا یہ تھا کہ لوگ آگے بڑھ کر انھیں سواری سے اتار دیں اس



لئے اس قیام سے قیام تعظیمی نہیں ثابت ہوتا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ چونکہ کھڑے ہونے کا حکم سردار کی نسبت کے ساتھ ہے اس لئے یہ لفظ ظاہر کرتا ہے کہ کھڑے ہونے کا حکم اظہار تعظیم کے لئے تھا اور اسی کا نام قیام تعظیمی ہے۔

### قیام تعظیمی کی دوسری دلیل

اس حدیث کو حضرت ابو داؤد نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ان کے رضاعی باپ یعنی حضرت علیہ سعید کے شوہر تشریف لائے تو حضور نے انہیں بٹھانے کے لئے اپنی چادر تشریف کا ایک گوشہ بچھا دیا۔ پھر حضور کی ماں تشریف لائیں تو ان کے لئے دوسرا گوشہ بچھایا۔ پھر اخیر میں رضاعی بھائی تشریف لائے تو حضور کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔ اس حدیث سے دوسرے کے لئے خود حضور کا قیام ثابت ہے۔

اس حدیث کے جواب میں منکرین قیام کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رضاعی بھائی کے لئے حضور کا قیام اکرام کے لئے نہیں تھا بلکہ جگہ بنانے کے لئے تھا۔ کیونکہ حضور اگر اکرام کے لئے قیام فرماتے تو ماں باپ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ حضرت مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ اول تو اس حدیث میں ان کے لئے قیام کی نفی نہیں ہے اور عدم ذکر سے عدم قیام کا ثبوت نہیں ہوتا دوسرے یہ کہ بٹھانے کے لئے اپنی چادر بچھا دینا ان کے اکرام کے لئے بہت کافی تھا۔ اور رضاعی بھائی کے سلسلے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں قام فاجلس بین یدین یہ یعنی حضور کھڑے ہوئے اور اپنے سامنے انہیں بٹھایا۔ اگر جگہ کی قلت کی وجہ سے حضور کا قیام ہوتا تو حدیث کے الفاظ یہ ہوتے کہ حضور کھڑے ہوئے اور اپنی جگہ پر انہیں بٹھایا۔ دوسرے یہ کہ جگہ بنانے کے لئے کھسک جانا کافی تھا کھڑے ہونے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

### قیام تعظیمی کی تیسری دلیل

فتح مکہ کے دن ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ خوف کی وجہ سے زمین کی طرف بھاگ گئے



تھے۔ اسی حالت میں انھیں خدا نے توفیق دی اور وہ اسلام لے آئے۔ اس کے بعد ان کی اہلیہ انھیں اپنے ہمراہ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جیسے ہی حضور نے انھیں دیکھا جذبہ مسرت میں کھڑے ہو گئے اور ان کا استقبال کیا۔

اسی طرح فتح خیبر کے دن حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حبشہ سے واپس تشریف لائے تو حضور نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور فرمایا کہ میں نہیں بتا سکتا کہ جعفر کے آنے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے۔

اسی طرح کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی منقول ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور کے منہ بولے بیٹے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس وقت حضور میرے حجرے میں تشریف رکھتے تھے، میں نے دیکھا کہ حضور انھیں دیکھنے ہی کھڑے ہو گئے اور انھیں گلے سے لگا لیا۔

ان تینوں حدیثوں میں دوسروں کے لئے خود حضور کا قیام کرنا ثابت ہوا۔ اور اس بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہے کہ نہ صرف یہ کہ دوسرے کے لئے قیام کرنا جائز ہے بلکہ سنت رسول بھی ہے۔

## قیام تعظیمی کی چوتھی دلیل

حضرت ابو داؤد نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم لوگوں کے ساتھ بات کرتے تھے اور سلسلہ گفتگو ختم ہو جانے کے بعد جب حضور کھڑے ہوتے تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ حضور اپنے دولت کدے میں داخل نہ ہو جاتے۔

اس حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابہ کرام کا کھڑا ہونا اور کھڑا رہنا ثابت ہو گیا۔



## قیام تعظیمی کی پانچویں دلیل

اس حدیث کو ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابو داؤد، ترمذی، اور حاکم نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور کے پاس تشریف لاتی تھیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے قیام فرماتے تھے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

ثُمَّ اِلَيْهَا فَتَقْبِلُهَا ثُمَّ اخَذَ بِرِجْلِهَا حَتَّى يَجْلِسَ هَا رِجْلُهَا مَكَانَ رِجْلِهَا  
یعنی حضور کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے ان کی پیشانی چومتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ اس حدیث سے بھی دوسروں کے لئے حضور کا قیام ثابت ہو گیا۔

منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے لئے حضور کا قیام اکرام کے طور پر نہیں تھا بلکہ جگہ کی تنگی تھی اس لئے جگہ بنانے کے لئے تھا۔ فاضل مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جگہ بنانے کے لئے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں تھی صرف کھسک جانا کافی تھا۔ اور اگر جگہ اتنی تنگ تھی کہ دو آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور انہیں بٹھا کر باہر چلے جاتے ہوں حالانکہ کسی حدیث میں ایسی روایت نہیں ملتی۔

اس مقام پر فاضل مصنف نے امام بیہقی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ القیام علی وجہ الاکرام جائز کقیام الانصار بسعد و قیام طلحہ ککعب۔ یعنی کسی کے اکرام و تعظیم کے لئے قیام کرنا جائز ہے جیسے انصار کا قیام حضرت سعد کے لئے اور حضرت طلحہ کا قیام حضرت کعب کے لئے۔

## قیام تعظیمی کی چھٹی دلیل

حضرت ابو داؤد کی یہ حدیث ہے جسے انہوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ اسٹھنے بیٹھنے بات چیت اور اپنی جملہ عادات و اطوار میں حضور کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتی تھیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے لئے تعظیماً کھڑی



ہو جاتی تھیں اور حضور کے دست مبارک کا بوسہ لیتی تھیں اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔

اس حدیث کی روشنی میں حضور کے لئے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قیام تعظیمی ایک آدھ بار کا نہیں تھا بلکہ پوری زندگی ان کا معمول ہی یہ تھا۔ پھر یہ بات بھی گہرائی میں اتر کر سمجھنے کی ہے کہ اگر ان کا یہ قیام تعظیمی حضور کے نزدیک ناجائز ہوتا تو حضور اس فعل سے انہیں یقیناً روک دیتے۔ لیکن جب حضور نے اپنے قیام تعظیمی سے انہیں نہیں روکا تو چودھویں صدی کے لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمیں حضور کے قیام تعظیمی سے روکیں۔

### قیام تعظیمی کی ساتویں دلیل

یہ حدیث حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام طبرانی اور خطیب بغدادی نے روایت کی ہے جیسا کہ کثر اعمال میں اس کی صراحت موجود ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنی جگہ سے اپنے بھائی کے لئے اٹھے مگر بنو ہاشم دوسرے کے لئے نہ اٹھیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔  
لِيَقُومَ الرَّجُلُ مِنْ مَجْلِسِهِ لِأَخِيهِ إِلَّا بَنُو هَاشِمٍ لَا يَقُومُونَ لِأَخِيهِ۔ اس حدیث سے دوسرے کے لئے قیام تعظیمی کا نہ صرف جواز ثابت ہوا بلکہ استجاب بھی ثابت ہو گیا کیونکہ امر کا ادنیٰ درجہ استجاب ہے۔

اور علامہ ابن حجر نے فتاویٰ حدیثیہ میں لکھا ہے کہ قیام نہ کرنے کی وجہ سے اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو قیام کرنا واجب ہے۔ ان کے فتوے کی عبارت یہ ہے۔ ان ترکہ  
أَلَا نَصَاةَ عُلَمَاءَ عَلَى الْقَطِيعَةِ وَتَوَقُّوعِ الْفِتْنَةِ فَيَجِبُ دَفْعُ الْفِتْنَةِ۔

### قیام تعظیمی کی آٹھویں دلیل

اس حدیث کی بخاری، مسلم، امام احمد، نسائی اور ابوداؤد سے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور الوری صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
إِذَا سَأَلْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُومُوا لَهَا حَيْثُ تَمَّ جَنَازُهُ دِكْحُو تَوَاسُ كَعَلَيْ كَهْرُءٍ هُوَ جَاوٍ۔  
اسی مضمون کی ایک اور حدیث بخاری، مسلم، امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی



نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
 اِذَا مَرَّ الْجَنَازُ فَتَقَوُّوا لَهَا حَتَّى يَخْلُفَكُمْ اَوْ يَوْضِعَ جَبْهَتَهَا فَاِذَا مَرَّ فَتَقَوُّوا لَهَا حَتَّى يَخْلُفَكُمْ اَوْ يَوْضِعَ جَبْهَتَهَا  
 دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو جب تک کہ وہ او جھل  
 نہ ہو جائے یا زمین پر اتار کر رکھ نہ دیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے بھی جنازے کے لئے قیام کا حکم صراحت کے ساتھ  
 ثابت ہو گیا ہے۔

## قیام تعظیمی کی نویں دلیل

یہ حدیث ہے جسے بخاری، مسلم اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین  
 نے حضرت ہبل ابن خنیف اور حضرت سعد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت  
 کی ہے۔

یہ حضرات بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ  
 لوگ ایک جنازہ لے کر ادھر سے گزرے۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اس پر کچھ  
 لوگوں نے کہا کہ یہ جنازہ غیر مسلم کا ہے۔ ہم نے انہیں جواب دیا کہ ایک بار حضور اکرم  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
 اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور! یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ ارشاد  
 فرمایا کیا وہ جان نہیں ہے۔

اس حدیث کو ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب منہجی الاخیار میں نقل کیا ہے۔

## قیام تعظیمی کی دسویں دلیل

طبرانی اور کنز العمال میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث  
 نقل کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے سامنے سے کوئی جنازہ گزرے  
 تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور یہ قیام ان فرشتوں کے لئے ہے جو اس جنازہ کے  
 ساتھ چلتے ہیں۔

اس حدیث سے نہایت صراحت کے ساتھ فرشتوں کے لئے قیام تعظیمی ثابت



یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قیام تعظیمی کے لئے دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ بغیر دیکھے بھی کسی کے لئے قیام کیا جاسکتا ہے۔ یہیں سے اس سوال کا جواب بھی ہو گیا جو قیام و سلام کے موقعہ پر ہم سے کیا جاتا ہے کہ کیا تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو جو ان کے لئے قیام کرتے ہو۔

پچھلے صفحات میں جنازے کے لئے قیام کرنے کی جو حدیثیں گزری ہیں اس حدیث سے اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہو گئی کہ قیام کا حکم ان فرشتوں کی تعظیم کے لئے ہے جو جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

### فاضل مصنف کی ایک ایمان افروز عبارت

قیام تعظیمی کے ثبوت میں یہ ساری حدیثیں پیش کرنے کے بعد حضرت مصنف نتیجے کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

اس تقریر سے کئی قیام شرعاً ثابت ہو گئے۔ اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتے وقت کھڑے رہنے میں تشبہہ بالعبادۃ ہے اور وہ جائز نہیں۔ بلکہ جب جنازہ وغیرہ کے واسطے عموماً قیام ضروری ہو تو نبی پاک کے لئے بطریق اولیٰ ضرور ہوگا۔ (ص ۱۶۸)

### قرآن میں منصب رسالت کی تعظیم کا حکم

فکر انگیز اور بصیرت افروز دلائل کے ساتھ قیام تعظیمی کے جواز کی بحث مکمل کر لینے کے بعد فاضل مصنف نے رسالت کی تعظیم و ادب کے موضوع پر عشق و عقیدت اور ایمان و عرفان کے جو گہل بوٹے کھلائے ہیں ان کی خوشبو سے اپنی منام جان کو معطر کیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔



چند آیات و احادیث و آثار یہاں لکھے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔ لیکن پہلے یہ بات معلوم کرنی چاہیے کہ جب تک کسی کی عظمت دل میں نہیں ہوتی ادب کا فعل صادر نہیں ہوتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو مختلف پیرایے میں بیان فرمایا ہے۔ (حصہ ۱)

قرآن حکیم میں جن آیتوں کے ذریعہ اہل ایمان کو تعظیم نبی کا صریح حکم دیا گیا ہے وہ دو ہیں۔

### پہلی آیت

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا  
وَمُنذِرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ  
وَمُرْسُولِهِ وَلْتَعَزَّزُوا  
تَوْقِيرًا ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً  
وَأَصِيلًا ۝

بیشک ہم نے آپ کو شاہد اور  
مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ دے  
لوگو! تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے  
رسول پر اور اس رسول کی تعظیم و  
توقیر بجالاؤ اور صبح و شام خدا کی  
تسبیح و تقدیس کرو۔

اس آیت کریمہ میں رسول کو بھیجنے کے تین مقاصد بیان کئے گئے ہیں، پہلا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ اس رسول کی تعظیم و توقیر بجالائیں۔ تیسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تقدیس کریں۔

گہری نظر سے اس آیت کریمہ کا مطالعہ کیجئے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ رسول کی تعظیم و توقیر کوئی سطحی اور ضمنی چیز نہیں ہے بلکہ جس طرح ایمان باللہ و الرسول اور عبادت خداوندی رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد ہے اسی طرح رسول کی تعظیم و توقیر بھی بعثت رسول کا مقصد اعلیٰ ہے لیکن کس قدر حسرت و افسوس کی بات ہے کہ



لوگ عبادت پر تو بہت زیادہ زور دیتے ہیں لیکن رسول کی تعظیم و توقیر کی کوئی اہمیت نہیں محسوس کرتے۔ حالانکہ ترتیب کے لحاظ سے دیکھئے تو آیت کریمہ میں ایمان کے بعد رسول کی تعظیم و توقیر ہی کا درجہ ہے۔ عبادت تو یہاں بالکل تیسرے نمبر پر ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیت کریمہ میں رسول کی تعظیم و توقیر کے لئے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ تعظیم و توقیر کا حکم ہم کس طرح بجالائیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ رسول کی عزت و تکریم کے اظہار کے لئے قیامت تک جتنے بھی جائز طریقے ممکن ہو سکتے ہیں وہ سب اس مامور بہ کے عموم میں داخل ہیں۔ اب کسی بھی طریقہ تعظیم کے لئے دلیل خاص کا مطالبہ کرنا قرآن فہمی کے اصولوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ نوٹ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :

آیت شریفہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر آپ کی بعثت مبارکہ کا مقصود اصلی ہے جسے حق تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ لام کے تحت بیان فرمایا ہے۔ ۱۴۹

### دوسری آیت کریمہ

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ	پس جو لوگ نبی پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی، اور ان کی مدد کی اور اُس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نجات و فلاح پانے والے ہیں۔
---	--

اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :



اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
تعلیم کے نجات ممکن نہیں ہے کیونکہ اہل بلاغت جانتے ہیں کہ ترکیب  
اَوْ لَمْ يَكُنْ هَهُ الْبَطْنُونَ ہ کی حصر کے لئے ہے۔ یعنی رنگاری  
اور نجات خاص انہی لوگوں کے لئے ہے جن میں یہ صفات موجود ہیں۔  
اسی وجہ سے عظمت اور ہیبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
صحابہ کے دلوں پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ باوجود اس خلقِ عظیم  
کے جس سے جانی و نفسِ حلقہ بگوشش اور وحشی صفت بیکانے بھی  
ماؤں ہو گئے اور باوجود کمالِ عشق و محبت کے صحابہ آنکھ بھر کے چہرہ  
مبارک کی طرف نہیں دیکھ سکتے تھے اور کسی میں جرأت نہ تھی کہ اگر  
بات یا مسئلہ بے تکلف پوچھ لے۔ (منہا)

قرآن حکیم کی ان دو آیتوں میں نہایت اہتمام و صراحت کے ساتھ تعلیمِ رسول کا  
حکم دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ قرآن کی بے شمار آیتیں ہیں جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ  
رب العزت کی جناب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کیا ہے ؟ اور خداوندِ ذوالجلل  
نے ان کی رفعت شان کا کس درجہ اہتمام فرمایا ہے۔ اور اس حقیقت کو تو قرآن کا ہر صفحہ  
بے نقاب کرتا ہے کہ اللہ کی رضا رسول کی مرضی کے ساتھ منسلک ہے۔ اور رحمت و  
تقرب کا دروازہ ان لوگوں پر ہمیشہ کے لئے مقفل ہے جو رسول کی طرف سے اپنے دلوں  
میں کدورت یا ہمسری و سرکشی کا شائبہ بھی رکھتے ہیں۔

اس دعوے پر فاضلِ مصنف نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے انفرادہ انداز  
استدلال فرمایا ہے کہ اسے بڑھنے کے بعد ہر صحت مند دل عشق و عقیدت کے سوز و گداز  
اور کیف و سرور کی لذتوں میں ڈوب جاتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ ہر آیت کے ذیل میں فاضلِ مصنف نے جو علمی نکات ارشاد  
فرمائے ہیں وہ حرزِ جان بنالینے کے قابل ہیں۔ اب دل کے اخلاص اور دیدہ شوقی کی  
ظہارت کے ساتھ ان آیات کا مطالعہ فرمائیں۔



## تیسری آیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ  
صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا  
لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ  
عَلَى بَعْضٍ أَن تَحْبَطَ  
أَعْمَالُكُمْ وَ أَنْتُمْ  
لَا تَشْعُرُونَ ۝

اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی  
آوازیں بلند نہ کرو۔ اور ان سے  
اونچی آواز میں اس طرح بات  
نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے  
سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو۔  
کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے  
اعمال ضبط ہو جائیں اور تمہیں خبر  
بھی نہ ہو۔

## تشریح

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب چند صحابہ کرام حضور کے سامنے چلا چلا کر  
بات کر رہے تھے۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ  
نے قسم کھالی کہ اب میں حضور سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی شخص راز کی  
بات کرتا ہے۔

اسی آیت کریمہ کے زیر اثر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سے اتنی دھیمی آواز  
میں بات کرتے تھے کہ حضور کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی۔  
اور حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس بر تو اس آیت کریمہ کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ  
وہ شدت اضطراب سے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ وہ اپنے پاس آنے جانے  
والوں سے کہتے تھے کہ چونکہ خلقی طور پر میری آواز بلند ہے اس لئے میری ہی آواز حضور  
کی آواز پر بلند ہوئی ہے۔ اب میرے سارے اعمال ضبط ہو گئے۔ اور میں جہنم کا  
مستحق ہو گیا۔

اس غم میں کئی دن تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے یہاں تک کہ ایک دن  
خود حضور جان نور نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ تفتیش حال کے لئے جب



صحابہ کرام اُن کے گھر گئے تو انہوں نے بتایا کہ میری ہی آواز حضور کی آواز پر بلند ہوتی تھی اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب میرے سارے اعمال ضبط ہو گئے اور اب میرا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہے۔ حضور کے سامنے جب لوگوں نے یہ سارا قصہ بیان کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ وہ جنتی ہیں۔ چنانچہ حضور کی بشارت کے مطابق جنگ یمامہ میں انہوں نے منصب شہادت پر سرفراز ہو کر ظاہری طور پر بھی جنت کا استحقاق حاصل کر لیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے آدمی بھیج کر انہیں اپنے پاس بلایا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم دنیا میں خیر و صلاح کی زندگی گزارو اور خدا کی راہ میں شہید کئے جاؤ۔ اور جنت کا دائمی عیش تمہیں لگے لگائے۔ انہوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ! دل کی پوری بشارت کے ساتھ میں اس پر راضی ہوں۔ اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔

اب ہر عاقل کو چاہئے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرتِ الہی تھا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

فاضل مصنف کے تبصرے کا یہ آخری حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے

اسی وجہ سے صحابہ ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جس سے غیرتِ الہی جوش میں آجائے۔ پھر جب آنحضرت اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت



یا غیرت کبریائی میں کوئی فرق آگیا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفات الہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیت کریمہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسے صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔ (ص ۲۰۶)

### چوتھی آیت کریمہ

بیشک جو لوگ رسول اللہ کے	إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَنُونَ
حضور میں دھیمی آواز سے بات کرتے	أَصْوَاتَهُمْ عِندَ رَسُولِ
ہیں، انہی لوگوں کے دلوں کو	اللَّهُ أَدْلِلْكَ الَّذِينَ مِنْ
خدائے کریم گارے تقویٰ کے لئے	أَمَّا تَنَّى اللَّهُ فَنُلُو بِهِمْ
منتخب کر لیا ہے انہی لوگوں کے	لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَ
لئے مغفرت و بخشش اور اجر عظیم ہے۔	أَجْرٌ عَظِيمٌ ه

### تشریح

اس آیت کریمہ میں ”دل کا تقویٰ“ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اسی کے متوازی ”دل کا مرض“ ہے جس کا تذکرہ قرآن نے منافقین کے بارے میں ان لفظوں میں کیا ہے۔ وَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا اور ان کے دلوں میں مرض ہے پھر اللہ تعالیٰ ان کے مرض بڑھاتا رہتا ہے۔ یہ بات اگر سمجھ لی جائے کہ دل کا مرض کیا ہے اور وہ بڑھتا کس طرح ہے تو دل کا تقویٰ بھی سمجھ میں آجائے گا۔ منافقین کی اس ناپاک مرثیت سے ساری دنیا واقف ہے کہ وہ ایک طرف



اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے تھے نماز میں بھی شریک ہوتے تھے اور دوسری طرف رسول کے خلاف دل میں کینہ بھی رکھتے تھے۔ اور دشمنوں سے مل کر ان کے خلاف طرح طرح کی سازش بھی رچاتے تھے۔ اسی باطنی خبث کا اثر تھا کہ حضور کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ خوشی مناتے اور جب حضور کی جلالت شان اور فتح و کامرانی کی کوئی بات ظاہر ہوتی تو وہ جلن کی آگ میں سلگنے لگتے۔

رسول کی عظمتوں سے جلنا اور ان کی رفعت شان کے اظہار پر سلگنا، یہی ان کے دل کا مرض تھا۔ اور جب ان کے دل کی خواہش کے خلاف خدا کی طرف سے کوئی ایسا واقعہ رونما ہو جاتا یا کوئی ایسی آیت اترتی جس سے حضور کی شان شوکت میں چسار چاند لگ جاتے تو ان کے چہروں پر ذلت و نامرادی کی پھٹکار برستی اور اندر ہی اندر وہ سلگنے لگتے۔ اسی کیفیت کو قرآن نے مرض کے بڑھنے سے تعبیر کیا ہے۔

اب اس کے برعکس حضور کی عظمت شان کے اظہار پر ایک سچے مسلمان کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اسی کا نام ”دل کا تقویٰ“ ہے۔ دل کا تقویٰ اگرچہ مانتے کی آنکھ سے نظر آنے کی چیز نہیں ہے لیکن حرکات و سکنات، نقوش و الفاظ اور گفتار و کردار سے محسوس کی چیز ضرور ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں ایک صحت مند دل اور ایک بیمار دل کے درمیان جو ہری فرق یہی ہے کہ ایک صحت مند دل حضور کی تعریف سن کر فخر مسرت میں اچھلنے لگتا ہے اور اپنی پاکیزہ تمناؤں کے ساتھ وہ ہر وقت اس کو شش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع اسے بار بار میسر آئیں۔ جبکہ بیمار دل، حضور کی تعریف سن کر اور بیمار پڑ جاتا ہے اور ہر وقت اس کو شش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع کبھی وجود میں نہ آئیں۔ چشم بصیرت و اہوتو دونوں طرح کی یہ کیفیت آپ کو اپنے بڑوس ہی میں نظر آجائے گی۔

اتنی تہید کے بعد اب اس آیت کے ذیل میں فیاض مصنف کی اس ہمکنی ہوئی عبارت سے اپنا و ماغ معطر کیجئے۔

سبحان اللہ! کس قدر رحمت و فضل کا دریا موجزن ہے اوہ والوں نے لے کر اگرچہ گنہگار ہوں ان کے لئے مغفرت کی بشارت بھی ہے



اور بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ بھی۔

اس آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ دولت انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جن کے قلوب امتحان الہی میں پورے اتریں۔ (ص ۲۰۶)

### پانچویں آیت

إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ  
مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ  
لَا يَعْقِلُونَ هَ وَكَذَٰلِكَ  
صَلُّوا وَاصْبِرُوا لِمَا خَرَجَ إِلَيْهِمْ  
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللَّهُ  
عَلِيمٌ رَّحِيمٌ

بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے  
پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے  
اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ  
لوگ صبر سے کام لیتے یہاں تک کہ  
آپ خود ان کی طرف تشریف لے  
جائے تو ان کے حق میں کہیں بہتر تھا اور  
اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

### تشریح

اس آیت کریمہ میں خاص طور پر دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں۔ پہلی بات تو ہے کہ یہ پیغمبر کا منصب ہے کہ بندوں کو خداوند ذوالجلال کے دربار میں حاضری کے آداب سکھائے۔ لیکن یہاں الطاف کریمانہ کا یہ جلوہ سامنے کی آنکھوں سے دیکھئے کہ معبود حقیقی اپنے ایک بندے کے دربار میں حاضری کے آداب خود اپنے بندوں کو سکھلا رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس غلط فہمی کی کوئی گنجائش ہے کہ ایسا بندہ ہماری ہی طرح ایک نادان، بے خبر اور بے وقعت بندہ ہوگا۔ معاذ اللہ!

ذرا برابر بھی کسی کے دماغ میں جوہر لطیف کا حصہ ہے تو اسے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ وہ بندہ جس پائے کا رسول ہے یقیناً اُسی پائے کا محبوب بھی ہے۔ کیونکہ اس طرح کا معاملہ حاکم و بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے یا سچے انے کسم خاص الخاص محبوب۔



کے ساتھ! تیسری کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن صرف خدا کی عبادت کا ڈھنگ بتاتا ہے رسول کی ٹکریم و آداب کے طریقے بدعتیوں نے نکالے ہیں وہ جبرتناک قسم کی غلط فہمی یا بددیانتی میں مبتلا ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ دل کی کیفیت کے اعتبار سے جرم کی منزلیں مختلف ہوتی ہیں اگر کوئی جرم عمدہ ہو تو اس کی مناسبت ہوتی ہے اور سہواً ہوا ہے تو منرا میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ قصد و بلا قصد کی بنیاد پر منراؤں کا یہ فرق قانون کی نظر میں بھی مسلم ہے۔

یہاں صورت حال بتا رہی ہے کہ جردوں کے پیچھے سے رسول کو پکارتے والے اہانت کی نیت سے نہیں پکار رہے تھے بلکہ بارگاہ رسالت کے آداب سے بے خبری کے نتیجے میں ان سے یہ غلطی سرزد ہو گئی۔ دونوں کا حال کوئی جاننے نہ جانے پر اللہ تو ضرور جانتا ہے۔ اسی لئے آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنے نرم لب و لہجہ میں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ کسی کو بے عقل یا بے وقوف کہہ دینا کوئی بڑی مذمت نہیں ہے اور پھر اسی کے بعد ہی **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** کا مرہم تسکین کیا ان لفظوں کا کرب کسی کو محسوس ہونے دے گا۔

لیکن اب آئیے تصویر کے دوسرے رخ کا بھی مطالعہ کریں۔ اسی قرآن میں کچھ گستاخ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنہوں نے رسول کی حرمت کو دیدہ و دانستہ اہانت کے کلمات سے مجروح کیا ہے۔ ان کے بارے میں قرآن کا رویہ اتنا سخت ہے کہ رو گئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پوری سورہ ہب خدا کے قہر و جلال کی ایسی دہکتی ہوئی آگ ہے جس میں ابولہب آج تک سلگ رہا ہے۔ کفر و شرک کا جرم تو اس نے اپنی زندگی میں ہزاروں بار کیا ہوگا پھر بھی مشیت الہی کی غیرت جو شش میں نہیں آئی۔ لیکن رسول کے ساتھ گستاخی کا ایک جرم سرزد ہوا تو سارا جہنم ابل پڑا اس پر بھی اور اس کی جو روبرو بھی۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجرم کے ساتھ ساتھ مجرم کے حامیوں اور ساتھیوں کی بھی پکڑ ہوتی ہے۔

آپ اپنا مطالعہ جاری رکھیں گے تو آپ کو اسی قرآن میں وہ گستاخ بھی ملے گا جس کے دس عیوب قرآن نے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں یہاں تک کہ آخر میں اس کے نسب کا بول بھی کھول دیا ہے۔ پھر جس منہ سے اس نے رسول کی شان میں



گستاخی کا جملہ نکال دیا تھا اسے سُور کی تھو تھنی قرار دے کر اس پر دائمی عذاب کی مہر بھی لگا دی ہے۔ کتاب کے ضخیم ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو قرآن حکیم میں اس طرح کے بے شمار مقامات میری نظر میں نہ آتے ہی پر بس کرتے ہوئے اب میں پھر آپ کی گرانقدر توجہ حضرت فاضل مصنف کے ان ایمان افروز ارشادات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اس آیت کریمہ کے ذیل میں انھوں نے ثبت فرمائے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اس آیت شریفہ میں جن لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے کا انتظار نہ کر کے انھیں پکارنا شروع کیا ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ ان کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے ان کو مجنون کہا گیا یا کوئی اور بات ہے۔

یہ کسی کتاب میں بھی نہ ملے گا کہ وہ چند دیوانے تھے جو اتفاق کو کے آئے اور گڑ بڑ کر کے چلے گئے بلکہ کتب احادیث و تفاسیر سے ثابت ہے کہ بہت بڑے ہوشیار اور ساری قوم کے مدبر لوگ منتخب ہو کر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر و سخن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر اور خطیب پر سبقت لے جائیں باوجود اس کے بے وقوف بنائے جا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منشا اس کا کچھ اور ہے۔

در اصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی کے عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگان حق کے ساتھ برابری کیونکر ہو سکے گی اس لئے کہ یہ تو حق تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔

الحاصل حماقت اور بے وقوفی بے ادبوں کی نص قطعی سے ثابت ہو گئی۔  
(منہ)



## چھٹی آیت

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ  
بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ  
بَعْضًا۔ تم اپنے درمیان رسول کے  
پکارنے کو ایسا مت ٹھہراؤ جیسے تم  
آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

## تشریح

اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں بہا کلمات ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت موصوف نے اپنے علم و فضل کے کیسے کیسے جواہرات بکھیرے ہیں۔ تفسیر درمنثور کے حوالہ سے ارشاد فرماتے ہیں:

بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نام اور کنیت کے ساتھ پکارتے تھے جیسے کوئی اپنے بھائی کو پکارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پکارنے سے لوگوں کو منع کر دیا اور تاکید فرمائی کہ کامل عجز و نیاز کے ساتھ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر انہیں پکارا کریں جس سے عظمت و شرف اور تعظیم و توقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہو۔ حق تعالیٰ کو اتنی بات بھی گوارا نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں حضرت کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہیں فرمایا۔ بلکہ جب بھی خطاب کیا یا ایہا النبیؐ وغیرہ صفات کمالیہ کے ساتھ ہی انہیں خطاب کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں پر ظاہر کرنا حق تعالیٰ کو منظور ہے۔ ورنہ وہی حضرت آدم اور دوسرے انبیاء کے اولوالعزم کو ان کی جلالت شان کے باوجود نام ہی کے ساتھ خطاب فرماتا ہے۔ (۲۰۵)



اس کے بعد حضرت فاضل مصنف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک عجیب غریب نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے :

یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ قرآن شریف میں گویا ایک طرح کا التزام نعت نبوی کا رکھا گیا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ پکارنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کو پکارا جائے وہ اپنی ذات کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔ اب اگر کسی کو صرف اس کے نام کے ساتھ پکارا جائے تو اس سے صرف اتنا ہی مقصد حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے گا لیکن اگر اس کے کسی وصف خاص کے ساتھ پکارا جائے تو توجہ کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت و تعریف کا اظہار بھی ہو جائے گا۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر پکارنے سے جہاں یہ مقصد حاصل ہوتا ہے کہ جسے پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے وہیں دوسرا مقصد یہ بھی حاصل ہوگا کہ ہر پکار میں حضور کی نبوت و رسالت کا بھی اظہار ہوتا رہے گا جو حضور کے جملہ اوصاف میں سب سے بڑا وصف ہے بلکہ جملہ اوصاف و کمالات کا مدار وہی ہے۔ (صفحہ ۲۹)

### ایک اعتراض اور اس کا جواب

حضرت فاضل مصنف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک اعتراض اور اس کے جواب میں نہایت شاندار بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے :

یہاں ایک اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ ابو امامہ ابن سہیل سے جو حدیث نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، امام احمد ابن حنبل، حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔ اس میں یہ واقعہ



نقل ہوا ہے کہ جس زمانے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تخت خلافت پر جلوہ فرما تھے، ایک صاحب ان کی خدمت میں کسی ضرورت سے ہر روز حاضر ہوتے تھے لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

ایک دن انہوں نے یہ واقعہ حضرت عثمان ابن حنیف سے بیان کیا۔ انہوں نے مقصد کی کامیابی کے لئے انہیں ایک غل بتایا اور کہا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو اور دعا کے بعد اپنا مقصد عرض کرو۔ خدا نے چاہا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتُوْجِّعُ اِلَیْكَ بِسَبِّیَّتِكَ مُحَمَّدٌ  
صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم نَبِیَّ الرَّحْمٰتِ یَا مُجْتَبٰی اِنِّیْ  
اَتُوْجِّعُ بِكَ اِلٰی سَرِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰی لِیْ  
فَشَقِّعْهُ فِیَّ۔

اس دعا کا ترجمہ یہ ہے :

یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد میں آپ کے وسیلے سے اپنی حاجت کے بارے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے۔ تو آپ میرے بارے میں خدا کے حضور سفارش کر دیجئے۔

چنانچہ انہوں نے اسی ترکیب کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرے دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی وہ ان تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ دربان نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمان نے پورے اعزاز و تکریم کے ساتھ انہیں اپنی مسند پر بٹھایا اور فوراً ان کی حاجت پوری کر دی۔ اور فرمایا کہ آئندہ تمہیں کسی طرح کی حاجت پیش آئے تو سیدھے میرے پاس آجایا کرو۔ اُسی دن وہ صاحب حضرت عثمان ابن حنیف کے پاس گئے اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ خدا آپ کو جزائے نیر دے۔ آپ کی سفارش سے آج حضرت عثمان غنی نے میری حاجت پوری فرمادی اور وہ میرے اوپر اتنے مہربان ہو گئے



کہ آئندہ کے لئے بھی میرا راستہ کھل گیا۔

حضرت عثمان ابن حنیف نے فرمایا کہ میری تو ان سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے اس لئے سفارش کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ سارا اثر اسی نماز کا ہے جس کی ترکیب میں نے آپ کو بتائی تھی۔

کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ حضور کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی کہ میرے لئے دُعا فرمائیے کہ میں بینا ہو جاؤں حضور نے اسے اسی نماز کی تلقین فرمائی تھی۔ جیسے ہی اس نے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دُعا مانگی ابھی اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہیں تھا کہ اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اسی وقت سے حاجت براری کے لئے یہ نماز مسلمانوں میں رائج ہو گئی۔

حضرت امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اس نماز کے بارے میں یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد جو دُعا کی جاتی ہے اس میں لفظ الحمد کے ساتھ حضور کو ندا کیا جاتا ہے جبکہ قرآن حکیم کی رو سے نام کے ساتھ حضور کو پکارنے کی ممانعت ہے۔

انہوں نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ اس نماز اور دعا کی تعلیم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس لئے دعا کے الفاظ میں کسی طرح کا رد و بدل نہیں کرنا چاہیے۔ اور اس لئے بھی وہ مناسب نہیں ہے کہ خود نماز کی تاثیر کے ساتھ ان الفاظ کا گہرا تعلق ہے کہ یہ الفاظ حضور کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں۔ (۲۵۵)

### ساتویں آیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
لَا تَقْفُوا سَاعِدَنَا وَقُولُوا  
أَنْظُرْنَا۔  
اے ایمان والو! (خفی کو اپنی طرف متوجہ  
کرنے کے لئے) راجعت مت کہا کرو بلکہ  
اُنظرنا کہنا کرو۔

### تشریح

اس آیت کو عہد کی شان نزول یہ ہے کہ یہودی مذہب کے لوگ جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے سَاعِدَنَا کہا کرتے تھے۔ جس کا مطلب



یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں۔ یعنی ابھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ انہیں دیکھ کر صحابہ کرام بھی حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے راعنا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں راعنا کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی راعنا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ تم راعنا کے بجائے اَنْظُرِنا کہنا کرو یعنی ہماری طرف نگاہ کرم مبذول فرمائیں۔ یعنی وہ لفظ ہی ترک کر دو جس میں توہین کا بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابہ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں فاضل مصنف کے قلم حقیقت رقم سے نکلے ہوئے یہ گنجمائے گرانمایہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

ہر چند صحابہ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایہ بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشایستہ جن میں صراحتہ حضور کی کسر شان ہو کیونکہ جائز ہوں گے۔ ۱ ص ۱۲۳

فاضل مصنف کا یہ دوسرا پیرا اگر اٹ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے :

صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر نیز اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن مار دی جائے۔ بالفرض کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ



بیدار ہوتی اور آپ گستاخانِ رسول کے لئے خطرہ بن گئے ہوتے تو ایک پڑھے مصنفِ قلم کی  
لوک سے حسرتوں کا یہ خون نہیں ٹپکتا۔

### آنکھوں آیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا  
لَا تَنْتَحِلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا  
أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامِهِمْ  
غَيْرِ نَازِلِينَ إِنَّهَا وَ لَكِنْ  
إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا  
وَ إِذَا نَفَخْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَ  
لَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ  
ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذَى السَّبِيحَ  
فَيَسْتَعْجِلُ مِنْكُمْ وَ اللَّهُ  
لَا يَسْتَعْجِلُ مِنَ الْحَقِّ ۝

اے ایمان والو! نبی کے گھر میں صرف  
اس وقت جاؤ جب تمہیں بلایا جائے  
اور وہاں بیٹھ کر کھانا کھنے کا  
انتظار نہ کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا  
جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو تو  
منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں دل  
لگائے ہوئے وہاں مت بیٹھو۔  
کیونکہ اس بات سے نبی کو  
اذیت پہنچتی ہے اور وہ فرطِ جفا  
سے کچھ نہیں بولتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ  
حق بات کہنے سے جفا نہیں فرماتا۔

### تشریح

اس آیت کریمہ میں بھی صحابہ کرام کو نبی کے کاشانہ اقدس میں داخل  
ہونے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن صرف روزہ و نماز  
اور عبادات کے احکام سکھانے کے لئے اترا ہے۔ منصبِ نبوت کا ادب و احترام اس  
کا موضوع سخن نہیں ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب فاضل مصنف کی تحریر کے مطالعہ  
سے اپنی آنکھیں کھلادی کیجئے۔ آیت کریمہ کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

ایک بار بعض صحابہ کھانا کھانے کے بعد آنحضرت کے دواں خانے  
میں مقنوی دیر پھرے رہے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔



ان کی وجہ سے حضور نہ اپنے مشاغل میں مصروف ہو سکے اور نہ مروت سے کچھ فرما سکے۔ غرض یہ کہ یہ بات کسی قدر گرائی خاطر کا باعث ہو گئی۔ اور اس کے فوراً ہی بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور کو گرائی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔

شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تامل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ ان احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آداب سے بھی روشناس کراتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ گرائی خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سراسر کسر شان کی ہیں کس قدر غیرت الہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ (ص ۲۱۶)



## تعظیم و ادب کے سلسلے میں حضور پاک کی عملی تعلیمات

دین میں تعظیم و ادب کی اہمیت و ضرورت پر قرآن کی آیات کریمہ سے استدلال کرنے کے بعد اب حضرت فاضل مصنف رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی سے چند ایسے نمونے پیش کر رہے ہیں جس سے ثابت ہو جائے کہ قابل احترام چیزوں کا ادب اور تعظیم اللہ پاک کا حکم بھی ہے اور رسول پاک کی سنت بھی۔ اس موضوع پر حضرت مصنف نے چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

### پہلی حدیث

وارقطنی کتاب المجتبیٰ میں حضرت ابو جہم سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حاجت بشری سے فارغ ہو کر بیرجمل کی طرف سے تشریف لارہے تھے کہ میرا آنا سامنا ہو گیا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضور نے جواب دینے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ تیمم کرنے کے بعد حضور نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ جواب دینے سے سوا اس کے اور کوئی چیز مانع نہ تھی کہ میں با وضو نہ تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْخَنِي اَنْ اُرَدَّ عَلَيْكَ السَّلَامَ اِلَّا اَنْي لَمْ اَكُنْ عَلٰى طَهْوٍ۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

ظاہر ہے کہ لفظ وعلیکم السلام کچھ آیت قرآنی نہ تھی جسے پڑھنے کے لئے طہارت کا اہتمام ضروری تھا۔ اگرچہ حدیث اصغر سے



طہارت آیت قرآنی کی تلاوت کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ لیکن چونکہ سلام حق تعالیٰ کا نام ہے اس وجہ سے بلا طہارت اسے زبان پر جاری کرنے سے تاامل فرمایا۔ گویا اس سے اس بات کی تعلیم بھی مقصود تھی کہ ایسے امور سے گو اس کے کرنے کی اجازت ہو، احتراز کرنا اولیٰ اور انسب ہے۔

۲۲۵

### دوسری حدیث

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ قوم یہود کے چند اشخاص حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست پیش کی کہ تھوڑی دیر کے لئے بقیع تک تشریف لے چلیں جو مدینہ کے قریب ایک مقام ہے۔ چنانچہ حضور وہاں تشریف لے گئے اور بیتِ مدراہس میں قیام فرمایا۔

حضور کے لئے ان لوگوں نے ایک مسند بچھا رکھی تھی جس پر حضور جلوہ افروز تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنا اصل مدعا پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم میں سے کسی شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اس بارے میں آپ حکم صادر فرمائیں کہ اسے کیا سزا دی جائے۔ اس درخواست کے جواب میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ تورات منگوائی جائے۔

جب وہ لوگ تورات لے کر آگئے تو حضور مسند سے نیچے اتر آئے اور تورات کو مسند پر رکھ دیا کہ میں تجھ پر اور تیرے اتارنے والے پر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمہارے اندر جو بڑا عالم ہو اسے بلا لاؤ۔

چنانچہ ایک جوان آیا اور اس نے تورات سے ثابت کر دیا کہ یہودی مذہب میں زانی کو سنگسار کرنے کی سزا ہے۔ یہودی اس سزا کا انکار کرتے تھے۔ (۲۲۵) اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

باوجودیکہ اس زمانے میں تورات تحریف و تصحیف سے خالی نہ تھی لیکن حضور نے اس کا بھی احترام کیا کہ خود مسند سے نیچے اتر گئے اور تورات کو مسند پر جگہ دی۔ (۲۲۵)



## تیسری حدیث

مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے صاحب کنتر العمال نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ہم مکہ معظمہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس وقت عین کعبہ شریف میں اور اس کے اطراف وجوانب میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ حضور نے انہیں حکم فرمایا اور سارے بت سرنگوں ہو گئے۔ پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا

اس کے بعد خاند کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ اس موقع پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کی تصویریں دیواروں پر اس طرح بنائی گئی ہیں کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تیر ہے جس کے ذریعہ کفار فال لیا کرتے تھے۔

حضور نے یہ تصویریں دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا قَاتِلْهُمْ اللَّهُ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَسْتَفْهِسُهُ بِأَلَا مَرَدُّ لَكُمْ - اللہ ان تصویر بنانے والوں کو ہلاک کرے، حضرت ابراہیم تیروں سے فال نہیں لیتے تھے۔ اس کے بعد حضور نے زعفران منگوا کر ان تصویروں پر پوت دیا جس سے تصویریں چھپ گئیں۔

اب اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز عبارت چشم عقیدت سے پڑھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم صادر ہو چکا تھا۔ علاوہ ازیں ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جس طرح چاہا بنا لیا تھا۔ مگر اتنی بات ضرور تھی کہ ان حضرات کا نام ان فرضی تصویروں کے ساتھ منسلک ہو گیا تھا جس کا لحاظ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مٹایا بھی تو معطر زعفران سے۔ درجہ



مثانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔

سبحان اللہ! کس قدر پاس ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آگیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی ایک طرح سے ادب کی رعایت کی گئی۔

اب مقام غور ہے کہ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑھا ہوا ہے ایسی بے اصل چیزوں کے ساتھ بھی صرف نام کا لحاظ کرتے ہوئے ادب کی رعایت فرمائی تو ہم آخری زمانے کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب ان آثار کے ساتھ کرنا چاہیے جن کا بطور واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔

اور اگر بالفرض حضور کی طرف ان آثار کی نسبت صحیح بھی نہ ہو تو کم از کم اس کا تو لحاظ رکھنا چاہیے کہ وہاں حضور کی نسبت تو ہے۔ اور طرہ تماشا یہ ہے کہ بجائے نادم ہونے کے لوگ اسی عقیدہ والوں کو الثامشک بناتے ہیں۔ (صفحہ ۲۳)

### پہنچتی حدیث

صحاح ستہ میں حضرت ابوالیوب انصاری سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رفع حاجت کے وقت نہ قبلے کی طرف منہ کرو اور اس کی طرف پیٹھ کرو۔ اور دوسری حدیث میں جسے صاحب کنز العمال نے حضرت سراقہ ابن مالک سے روایت کی ہے، جس میں حضور نے اس حکم کی علت کھول کر بیان کر دی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص رفع حاجت کے لئے بیٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ قبلہ کی سمت کا احترام کرتے ہوئے اس کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے۔ پھر اسی کنز العمال میں ایک حدیث مرسل بھی ہے جس میں حضور نے ارشاد



فرمایا ہے کہ جو شخص بھوں کو قبلہ کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگے یا پھر یاد آئے ہی قبلہ کی تعظیم کے خیال سے رخ پھیر لے تو اٹھنے سے پہلے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے حقیقت رقم سے علم و عرفان کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں اس کی خوشبو سے اپنا دماغ معطر کیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

اگر عقل نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا کیوں منع ہوا۔ خصوصاً اس مقام میں جہاں سے کعبہ شریف سینکڑوں ہزاروں کوس کے فاصلے پر ہو۔

اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کعبہ شریف از قسم جمادات ہے۔ اس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثال امر کے لئے کافی تھا لیکن ہر وقت اس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور حالت نماز کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی اس کا ادب ملحوظ رکھنا کیا ضروری ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں عامیوں کی سمجھ کو کچھ دخل نہیں ہے۔ جو لوگ آداب کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے واقف ہیں ان کی طبیعت خود گواہی دے گی کہ فضیلت و شرافت والی چیزوں کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید مؤدب رہنا ضروری ہے۔ (ص ۲۲۸)

عبارت کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت اور دیدہ عبرت سے بڑھنے کے قابل ہے :

جب بیت اللہ شریف کو یہ سبب شرافت یہ رتبہ حاصل ہوا کہ ہر نزدیک اور دور والے پر اس کا ادب ضروری ٹھہرایا گیا تو جسے



ذرا بھی نور بصیرت حاصل ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ خاص حبیب  
 رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آداب کی کس قدر  
 ضرورت ہوگی۔

(ص ۲۲۹)





## بارگاہ رسالت میں صحابہ کرام اور اکابر امت کے شیوہائے ادب

اس عنوان کے تحت حضرت فاضل مصنف نے احادیث و سنیہ کی مستند کتابوں سے ایسے ایسے واقعات جمع کئے ہیں کہ انھیں پڑھنے کے بعد ایمانی احساس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے اور آدمی شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے کہ منصب رسالت کے آداب کی جن نزاکتوں کو صحابہ کرام اور اکابر امت نے برت کر دکھایا آج ہم ان سے واقف تک نہیں ہیں عمل کرنا تو بڑی بات ہے۔

اور یہ واقعات ان لوگوں کی پشت پر ایک عبرتناک تازیانہ سے کم نہیں ہیں جو تعظیم و ادب کے ہر موقع پر ہم سے سوال کرتے ہیں کہ حضور نے کہیں اس کا حکم دیا ہو تو کتابوں میں دکھائیے۔ ہم ان سے جواباً عرض کریں گے کہ صحابہ کرام اور اکابر امت کے یہ واقعات جو آنے والے اوراق میں درج کئے جا رہے ہیں آپ انھیں غور سے پڑھیے اور بتائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جس ادب و احترام کا انھوں نے مظاہرہ کیا تھا کیا حضور نے انھیں اس کا حکم دیا تھا۔ ؟

تلاش بسیار کے بعد بھی آپ کو اس کے بارے میں حضور کا کوئی حکم نہیں ملے گا۔ سو اس کے صحابہ کرام اور اکابر امت نے ہر موقع پر خود اپنے ایمان کا تقاضا محسوس کیا اور اسے پورا کیا۔ لیکن جہاں سرے سے ایمان ہی کا فقدان ہو وہاں ایمان کا تقاضا محسوس کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

اب دل کے اخلاص کے ساتھ چشم حقیقت داکر کے ان واقعات کا مطالعہ کیجئے :



## عام صحابہ کا شیوہ ادب

صحابہ کرام کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسی والہانہ عقیدت و محبت تھی اس کے ثبوت میں مصنف کتاب نے کفار قریش کے ایک نمائندے کی زبانی جو دلولہ بن ابی اسلمہ شہادت پیش کی ہے، وہ اہل ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور جذبہ شوق کی امنگوں کے لئے ایک نوید جانفر ہے۔

راویان حدیث بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صنادید قریش نے عروہ نام کے ایک جہاندیدہ شخص کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر وادی حدیبیہ میں بھیجا۔ اس نے ہر رخ سے حضور کے لشکر کا جائزہ لیا، قدم قدم پر صحابہ کرام کی جاں نثاری اور والہانہ جذبہ وادفنگی کے بھی اس نے مناظر دیکھے۔ جب وہ واپس لوٹ کر مکہ گیا تو صنادید قریش کے سامنے جن الفاظ میں اس نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس نے کہا کہ:

”اے میری قوم! قسم ہے کعبہ کے پروردگار کی کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ قیصر و کسریٰ جیسے سطوت و جبروت والے سلاطین کی پیش گاہوں میں بھی گیا ہوں لیکن جس والہانہ محبت کے ساتھ محمد کے اصحاب محمد کی تعظیم کرتے ہیں اس کی مثال میں نے کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ جب وہ اپنی ناک صاف کرتے ہیں تو ان کے اصحاب اسے اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے ہیں اور اسے اپنے جسم اور منہ پر ملتے ہیں اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کے لئے ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت کرتا ہے۔ اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اعضاء وضو سے جو پانی ٹپکتا ہے اسے حاصل کرنے کے لئے صحابہ اس طرح ایک دوسرے پر گرتے ہیں کہ جیسے جنگ و جدال کی نوبت آجائے گی۔ اور صحابہ کے دلوں پر محمد کی ایسی ہیبت چھائی رہتی ہے کہ کوئی آنکھ بھر کر انہیں نہیں دیکھ سکتا۔“

(المواہب اللدنیہ)



اس واقعہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام کو حضور نے حکم دیا تھا کہ جب میں ناک صاف کروں تو اسے اپنے ہاتھ پر لے کر اپنے چہرے اور جسم پر مل لیا کرو۔ اور جب میں وضو کرنے کے لئے بیٹھوں تو آشفۃ حال پر دونوں کی طرح میرے گرد جمع ہو جایا کرو اور قبل اس کے کہ میرے اعضائے وضو سے ٹپکتا ہو پانی زمین پر گرے تم اسے اپنے ہاتھوں پر روک لو اور اپنے چہرے اور جسم پر ملو۔ بلکہ یہ سارا ہنگامہ شوق صحابہ کرام کا خود اپنا برپا کیا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے نہ خدا کا کوئی حکم تھا نہ رسول کا۔ جو کچھ بھی تھا وہ خود ان کے ایمان بالرسول کا تقاضا تھا جس کے سمجھنے میں نہ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی اور نہ نفس کی کوئی شرارت درمیان میں حائل ہو سکی۔

اور یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ حضور کے حکم کے بغیر صحابہ کرام کے دالہا نہ جذبے کا یہ مظاہرہ اگر حرام و ناجائز ہوتا تو حضور یقیناً اپنے صحابہ کرام کو اس سے روک دیتے لیکن حدیث کی کتابوں میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ حضور نے صحابہ کرام کو اس طرح کے اظہار عقیدت سے منع فرمایا ہو۔

ان ساری باتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نہ بھی حکم دیں جب بھی عقیدت و تعظیم کا تقاضا پورا کرنا صحابہ کرام کی سنت ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ تعظیم و عقیدت کا وہ عمل جو کسی حکم منصوص سے متصادم نہ ہو حضور کی طرف سے اس کی عام اجازت ہے۔

### جانوروں کا شیوہ ادب

سنن احمد اور نسائی کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کسی انصاری کے پاس ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے باغ میں پانی پٹایا کرتے تھے۔ ایک بار اس کا دماغ خراب ہو گیا اور ایسا بگڑا کہ کوئی اس کے قریب نہیں جاسکتا تھا۔ اسی درمیان میں وہ انصاری ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بگڑنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے کھیت اور باغ مرچھا



رہے ہیں۔

یہ قصہ سن کر حضور اپنے صحابہ کے ساتھ اس بارغ میں تشریف لے گئے۔ جب حضور اونٹ کی طرف بڑھنے لگے تو انصاری نے عرض کیا۔ حضور! یہ اونٹ پاگل کتے کی طرح خطرناک ہو گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے۔ حضور نے فرمایا لَیْسَ عَلَیَّ مِنْہُ بَأْسٌ مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جو نبی اونٹ نے حضور کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھا وہ تیزی سے دوڑا اور حضور کے آگے سجدہ ریز ہو گیا۔ حضور نے اس کی پیشانی کا بال پکڑا جس سے وہ بالکل مستحضر ہو گیا۔

یہ حدیث حضرت جابر سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت میں بیان واقعہ کے بعد میں اتنا اضافہ ہے کہ حضور کے سامنے اونٹ کا سجدہ ریز ہونا دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا کہ حیوانات و بہائم کے مقابلے میں ہمیں زیادہ حق پہنچتا ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضور نے جواب دیا کہ کسی بشر کو جائز نہیں کہ وہ بشر کو سجدہ کرے۔ اس حدیث کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ شاندار تبصرہ بڑھتا ہے۔

جس کے پاس عقل سلیم اور فہم مستقیم ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ کس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کرام کے پیش نظر تھی کہ وہ حضور کو سجدہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے جس میں کمال درجہ کا تذلل ہے۔

عبارت کا یہ ٹکڑا بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی قسم کی عظمت جیسی صحابہ کے دلوں میں تھی ایک مدت تک مسلمانوں کے قلوب میں رہی مگر افسوس کہ چند روز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانے کے بعض لوگوں کے سروں میں سمایا اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب



باتیں جو کفار و مشرکین کیا کرتے تھے تازہ ہو جائیں۔ کبھی انہیں اَنَا  
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں غور و خوض ہوتا ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم  
لوگوں کو حضرت نے بھائی کہا ہے اس لئے حضرت بڑے بھائی  
ہوئے۔ اب اس خیال نے یہاں تک پہنچا دیا کہ وہ آیات و احادیث  
منتخب کی جاتی ہیں جن سے ان کے زعم میں منقصد شان نکلتی ہے۔  
اور وہ احادیث جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ تو واضح کچھ  
کہا ہے حضور کی کسر شان کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔ ص ۱۹

### حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوہ ادب

کثر الحال میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار انھوں  
نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت مرحمت  
فرمانے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا:

لَا تَنْسَانَا يَا أَخِي مِنْ دُعَائِكَ

میرے بھائی! اپنی دعا میں ہمیں یاد رکھنا

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور کا یہ ارشاد میرے نزدیک اتنا گراں بہا  
تھا کہ اس کے مقابلے میں تمام روئے زمین کی سلطنت بھی بیچ سکتی۔  
یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب نے اس گستاخ فرقے پر اتنی  
کاری ضرب لگائی ہے جو حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ہمسری  
کا خواب دیکھتا ہے کہ وہ تھلا انھیں گے ارشاد فرماتے ہیں:

حضور کا یہ ارشاد سن کر ایک شخص کے دل کی وہ حالت ہوئی کہ  
بیان سے باہر ہے اور اس زمانے کے کچھ لوگ اس حدیث شریف  
سے یہ معنی نکالیں گے کہ اخوت امر اضافی ہے۔ زمانہ کے تقدم اور  
تاخر سے اگر کچھ فرق ہے تو صرف بڑے اور چھوٹے کا ہے یعنی حضرت



بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی۔ نعوذ باللہ من ذلک

۱۹۴

اس کے بعد فرماتے ہیں :

ایسے شخص کو اس حدیث شریف سے اسی قدر غصہ ملا کہ سر  
میں ہمسری کا سودا سلایا اور یہ خیال آگے بڑھتے بڑھتے یہاں تک  
پہنچ گیا کہ ان گنتہم اذ لبسوا مثلكم تک پہنچا دیا۔ اب یہ شخص اسی  
دھن میں ہوگا کہ جہاں خود پہنچا ہے اور وہاں کو بھی وہیں پہنچا دے۔  
شاید اس کے خیال میں یہ بات کبھی نہ آئی ہوگی کہ ہم کہاں  
اور شان رحمۃ للعالمین و مسید المرسلین کہاں

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

سلاطین اپنے خادموں اور غلاموں کو بھائی کہہ دیا کرتے ہیں  
بلکہ خود احادیث میں وارد ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔  
اگر بادشاہ کے کہنے سے خدام اور غلام اپنے آقا کو بھائی سمجھنے لگیں  
تو وہ نہایت بے ادب اور احمق سمجھے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ  
تعالیٰ عنہ باوجود اپنی قرابت اور جلالت شان کے اپنے آپ کو حضور کا  
عبد اور غلام کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ مستدرک میں حاکم نے حضرت  
سعید ابن المسیب سے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔

اگر کسی قرابت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درست  
ہوتا تو وہ والد اور پدر بزرگوار کا تھا کہ ان کی ازواج مطہرات کو  
حق تعالیٰ نے امہات المومنین یعنی مسلمانوں کی ماں قرار دیا ہے لیکن  
اس کے باوجود حق تعالیٰ نے اس قرابت کی بھی نفی فرمادی جیسا کہ قرآن  
کی اس آیت کریمہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ رَّبِّكَ بَلْكَمَ  
ظاہر ہے یعنی محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ (ص ۱۹۵)



## حضرت ابو بکر صدیق کا شیوہ ادب

بخاری شریف میں یہ حدیث حضرت مہمل ابن سعد ساعدی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو میں دو فریق کے درمیان صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور اسی قبیلہ ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ اذان کے بعد جب جماعت کا وقت ہوا تو مسجد نبوی شریف کے مؤذن نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے اقامت پڑھی۔ حضور کی غیر موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیق امامت کے لئے آگے بڑھ گئے اور نماز شروع کر دی۔

اسی درمیان میں حضور تشریف لائے اور صف میں کھڑے ہو گئے۔ جب نمازیوں نے حضور کو دیکھا تو حضرت ابو بکر صدیق کو خبردار کرنے کے لئے ہاتھ سے دستک دینے لگے۔ جب حضرت ابو بکر نے دستکوں کی آواز سنی تو گوشہ چشم سے دیکھا کہ حضور ان کے پیچھے صف میں کھڑے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی فوراً وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نے انھیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔

اس پر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور حضور کی طرف سے اس عزت افزائی پر خدا کا شکر ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد حضور امامت کے منصب پر تشریف لے گئے۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو ابو بکر صدیق سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے خود تمہیں حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو تمہیں اس حکم کی تعمیل سے کونسی چیز مانع ہوئی؟

حضرت ابو بکر نے جواب میں عرض کیا کہ ابوقحافہ کا بیٹا ہرگز اس لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے امام بن کر کھڑا ہو۔

اس واقعہ کا ظاہری پہلو واضح طور پر اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کے حکم کی خلاف ورزی کی لیکن اس کے باوجود وہ نافرمان نہیں کہے جاتے بلکہ حضور کے سب سے بڑے تابعدار کہے جاتے ہیں۔ آخر اس کی



وجہ کیا ہے ؟

آپ گہرائی میں اتر کر سوچیں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ نافرمانی سے چونکہ حکم دینے والے کی تحقیر ظاہر ہوتی ہے اس لئے نافرمانی کو برا سمجھا جاتا ہے اور اسی کے بالمقابل فرماں برداری سے چونکہ حکم دینے والے کی تعظیم نکلتی ہے اس لئے فرماں بردار کو اچھا کہا جاتا ہے۔

لیکن اگر کسی مقام پر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے اور نافرمانی سے حکم دینے والے کی عظمت ظاہر ہوتی ہو تو ایسی نافرمانی جائز ہی نہیں بلکہ قابل تحسین ہے جس کا اظہار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل سے ہوتا ہے۔ انہوں نے ہمیں روشنی دکھلائی ہے کہ منصب رسالت کا ادب و احترام دین کی اساس ہے۔ جب تعظیم کی بنیاد پر حکم کی خلات ورزی قابل تحسین عمل بن سکتا ہے تو ثابت ہوا کہ تعظیم کا حکم محتاج حکم نہیں ہے بغیر حکم کے بھی نبیؐ کی تعظیم کی جائے گی۔

### حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شبوہ ادب

مسلم شریف میں حضرت برادر بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن صلحنامہ کی عبارت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھ رہے تھے جب انہوں نے صلحنامہ کی یہ سرخی لکھی کہ هٰذَا مَا كَاتَبَ عَلِيٌّ مُحَمَّدًا وَمَحَمَّدٌ رَسُولَ اللَّهِ۔ یہ وہ نکات ہیں جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا۔ تو کفار مکہ کے نمائندوں کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اس کا غرض رسول اللہ کا لفظ نہیں لکھا جاسکتا۔ کیونکہ اگر ہم ان کو اللہ کا رسول ہی مانتے تو ان کے ساتھ جنگ ہی کیوں کرتے۔ یہ سن کر حضورؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور اس کی جگہ ابن عبد اللہ لکھو۔ حضرت علیؑ کے جذبہ عقیدت میں سرشار ہو کر جواب دیا۔ مَا أَنَا بِالسَّيِّئِ حَتَّى أَطْحَاكَ۔ میں وہ شخص نہیں ہوں کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا سکوں۔ حضرت علیؑ کا یہ جواب سن کر حضورؐ نے خود اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو قلمزد کر دیا اور اس کی جگہ پر ابن عبد اللہ لکھا۔

اب ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف نے علم و عقیدت



کے جو جوہر ہوتے ہیں ان کی چمک سے اپنی بصیرت کا نور بڑھائیے۔ ارشاد  
فرماتے ہیں:

اب تعمق نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا اور حضرت  
علی کرم اللہ وجہہ کو رسول اللہ کا لفظ مٹانے کا امر فرمایا تھا مگر  
ان دونوں حضرات سے حکم کی تعمیل نہ ہو سکی۔ حالانکہ حق تعالیٰ کا  
صاف و صریح ارشاد ہے کہ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ  
وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ رسول تمہیں جس بات کا حکم کریں اُسے  
کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اور دوسری آیت  
میں ارشاد باری ہے کہ کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ اختیار نہیں  
کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم صادر ہو جائے تو وہ اس  
سے سرتابی کریں۔

یہاں ایک غلط فہمی پیدا ہوتا ہے جس کے ازالہ کے لئے تعمق نظر  
درکار ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا تو انکار ہی نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات  
سے عدول حکمی عمل میں آئی اور وہ بھی اس موقع پر جبکہ آنحضرت  
صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس موجود ہیں اور رو برو حکم دے  
رہے ہیں۔

اور اس بات کا بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات میں گویا  
سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا کہ ایک اشارے پر جان دیدینا ان کے  
لئے کچھ بڑی بات نہ تھی۔ اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدول حکمی  
خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف تھی کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو خود  
حضور انہیں تنبیہ فرماتے بلکہ کوئی آیت نازل ہو جاتی۔

اب اس غلط فہمی کا ازالہ اسی طرح کیا جاسکتا ہے کہ ان حضرات کا  
پاس ادب جو سچے دل سے تھا وہ ایسا با فروغ تھا کہ اس کے مقابلے



میں عدول حکمی قابل التفات نہ ہوئی۔

اب ذرا صورت حال کی کشمکش کا اندازہ لگائیے کہ ایک طرف ہر نفس نفیس سید المرسلین آمنے سامنے حکم دے رہے ہیں اور دوسری طرف دل پر ادب کا اس قدر تسلط ہے کہ کہ تعمیل حکم کے لئے ہاتھ پیر می دیتے ہیں نہ پاؤں میں حرکت ہوتی ہے۔ آخر ان دونوں صدیقیوں کو ادب کی مشہور وہی کرنا پڑتا ہے جو ادب کا مقتضا تھا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نص قطعی کے مقابلہ میں ادب ہی کو ترجیح ہوئی تو دین میں ادب کا مقام کتنا بلند ہے؟ (ص ۲۳۲)

### حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوہ ادب

کنز العمال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ جس دن سے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اپنا دامن ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اس دن سے آج تک میں نے اپنے واسطے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔

اور کنز العمال ہی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ ایک دن حضور کسی باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک مکان میں دو نفی افراد ہوئے۔ اسی درمیان دروازے پر ایک شخص نے دستک دی۔ حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو۔ اور یہ خبر بھی دید کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا تو دروازے پر حضرت ابو بکر صدیق کھڑے ہیں۔ اس کے بعد پھر کسی آنے والے نے دروازے پر دستک دی، حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو اور اسے اس کی بھی خبر کر دو کہ میرے بعد اسے میرا



خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہوگا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عمر فاروق کھڑے ہیں۔  
 راوی کہتے ہیں کہ ابھی کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو اُسے جنت کی بشارت دو اور اُسے یہ خبر بھی پہنچا دو کہ عمر کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے اور وہ قتل کئے جائیں گے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عثمان کھڑے ہیں۔ وہ اندر آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں کبھی کسی گانے بجانے کی محفل میں شریک نہیں ہوا اور نہ میری زبان کبھی جھوٹ پر آمادہ ہوئی۔ اور جس دن سے میں نے اپنا دامن ہاتھ حضور کے دست مبارک میں دیا اس دن سے آج تک اُس ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ حضور نے فرمایا۔ یہی بات ہے عثمان۔ یعنی انہی خوبیوں کی وجہ سے بارگاہِ خداوندی میں تمہاری مقبولیت ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ ایمان افروز نکات ملاحظہ فرمائیں جن سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

اب یہاں پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو ہاتھ دیا تھا اس میں کس قسم کا اثر دست مبارک کا رہ گیا تھا جس کی اس قدر رعایت کی گئی۔

باطن کا حال تو وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کے اہل ہیں لیکن ظاہر میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے عقل متوسط تسلیم کر لے۔ رہا اعتقاد سے مان لینا تو وہ بالکل دوسری بات ہے۔ غرض کچھ بھی ہی کسی مسلمان سے یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت عثمان کے اس فعل پر اعتراض کر لے۔ اور فعل بھی کیسا جس پر خود شافع علیہ السلام کی رضامندی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ پھر



یہ بھی نہیں کہ اس قسم کا خیال صرف اُنہی کا تھا بلکہ اس قسم کی باتیں اکثر صحابہ و تابعین سے مروی ہیں۔ الحاصل اگرچہ حقیقت اس کی معلوم نہ ہو سکی لیکن اعتقاد مان لینا پڑے گا کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف کے مس سے شرافت حاصل ہو گئی اس میں کسی نہ کسی طرح کی فضیلت ضرور آگئی۔

تبصرہ کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے :

پھر دوسری بحث طلب بات یہ ہے کہ شرمگاہ میں کونسی ایسی برائی رکھی تھی کہ وہاں متبرک ہاتھ لے جانا مذموم سمجھا گیا۔ اکثر احادیث و آثار سے تو یہی ثابت ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے دوسرے اعضا کی طرح۔

البتہ اس عضو میں اگر کوئی کراہت ہے تو وہ طبعی ہے اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس طبعی کراہت کو بھی ادب نے اتنا بڑھایا کہ شرعی کراہت سے بھی زیادہ اس کی حس بڑھ گئی اور ساری عرودہ اس فعل سے بچتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا اثر دکھانے میں نہ وہ کسی امر کا منتظر ہے اور نہ کسی نظیر کا محتاج ! بلکہ اہل ایمان میں وہ ایک قوتِ راسخہ کا نام ہے جو ادب کرنے والوں کو معظّم کے آگے جھکنے اور اس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ (ص ۲۴۱)



## حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا شیوہ ادب

کنز العمال میں حضرت عبدالرحمن ابن ابی لیلیٰ سے منقول ہے کہ مدینہ میں ایک شخص کا نام محمد تھا۔ ایک دن حضرت عمر کہیں سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے سنا کہ محمد نام والے شخص کو ایک آدمی بڑا بھلا کہہ رہا ہے۔ یہ سن کر چلتے چلتے وہ رک گئے اور اس شخص کو جس کا نام محمد تھا اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نام کی وجہ سے نام پاک کی بے حرمتی ہو رہی ہے اس لئے آج سے میں تمہارا نام بدل رہا ہوں۔ اب آج کے بعد سے تم بجائے محمد کے عبدالرحمن کے نام سے پکائے جاؤ گے۔

اس درمیان میں حضرت عمر کی نظر حضرت طلحہ کے بیٹے پر پڑی ان کا نام بھی محمد تھا۔ حضرت عمر نے ان کا نام بھی بدلنا چاہا تو انھوں نے کہا کہ میرا نام حضور نے محمد رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر بے سکتہ طاری ہو گیا اور فرمایا اب تمہارا نام کوئی نہیں بدل سکتا۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف اپنی فیرت ایمانی کا جلوہ دکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد کو گالیاں دیئے جانا انھیں گوارا نہ ہوا مگر اصل واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے نام لے کر گالی دی جس سے نام کی توہین کا سوال اٹھتا بلکہ اس نے تو اس کی ذات کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تیرے ساتھ خدا ایسا کرے ویسا کرے۔ اس سے نام کی توہین کیسے نکل آئی؟

اب اس کی اصل وجہ سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کا نام محمد رکھو اس کی بے حرمتی مت کرو۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہوا کہ نام کی وجہ سے اس کی ذات میں



بھی کسی نہ کسی طرح کی شرافت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔  
 اگرچہ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے لیکن جب اس  
 باب میں صراحت حدیثیں وارد ہیں تو اہل ایمان سے یہ کب ہو سکتا ہے  
 کہ حضور کے ارشاد کے مقابلے میں عقل کی سنیں۔ ایمان تو اسی کا  
 نام ہے کہ جو حضرت نے فرما دیا اسے بے چون و چرا مان لیا۔ اگر  
 وہ عقل کے مطابق ہے تو فیہما ورنہ عقل کو اس ارشاد کے آگے قربان  
 کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز پر متبرک نام آنے کی وجہ سے اس چیز کا  
 مکرم و محترم ہو جانا شاعر پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد  
 سے ثابت ہے۔ ۲۶۲

### حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک وثنیہ ادب

کثر اعمال میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک دیہاتی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ کیا آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ  
 نے جواب میں فرمایا نہیں ہمیں خالفہ ہوں۔  
 جوہری نے مختار الصحاح میں لکھا ہے کہ خالفہ گھر کے اُس فرد کو کہا جاتا ہے  
 جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لئے ازراہ ادب آپ نے  
 اپنے کو اس لفظ کا مصداق نہیں سمجھا اور اس لفظ کو ایک ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس  
 میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔  
 اب اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ حق افروز اور باطل سوز تبصرہ ملاحظہ  
 فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

جب حضرت ابو بکر صدیق جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے  
 آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم  
 کو نسا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ



بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔

معلوم نہیں اس برابر سے ان کا کیا مقصد ہے۔ اگر اپنے آپ کو وہ لوگ حضور کے برابر کرنا چاہتے ہیں تو حضور کے وہ فضائل و خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو نصیب نہیں ہوئے، ان کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گے۔

اور اگر اپنے برابر کر کے وہ حضور کی شان گھٹانا چاہتے ہیں تو ان لوگوں پر ان کُنْهُمْ اِنَّ لَبَشْرًا مِّثْلَنَا کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی راہ نہیں ہے۔ (صفحہ ۲۳)

### ایک ہی شیوہ ادب متعدد اکابر صحابہ کا

دلائل النبوة میں حضرت قباث لیشی کے متعلق یہ روایت نقل کی گئی ہے جن کی وناوت حضور سے پہلے ہوئی تھی کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ اَنْتَ الْكَبْرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ! انھوں نے جواب دیا کہ هُوَ الْكَبْرُ مَعِيَ وَاَنَا اَسَنُّ مِنْهُ۔ بڑے تو وہی ہیں البتہ میری عمر زیادہ ہے۔

اسی طرح کی روایت دلائل النبوة میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی نقل کی گئی۔ ان سے بھی کسی نے یہی سوال کیا تو انھوں نے بھی جواب میں کہا هُوَ الْكَبْرُ مَعِيَ وَاَنَا اَسَنُّ مِنْهُ فِي الْهَيْلَةِ۔ بڑے وہی ہیں صرف میری پیدائش ان سے پہلے ہے۔ اسی طرح کا شیوہ ادب ابن عباسؓ اور ابن نجارؓ نے حضور کے چچا حضرت عباسؓ کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ ان سے بھی کسی نے پوچھا تھا کہ اَنْتَ الْكَبْرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ آپ بڑے ہیں یا رسول پاک۔ تو انھوں نے بھی جواب میں یہی کہا تھا۔ بڑے وہی ہیں میں صرف پہلے پیدا ہوا ہوں۔ اور اسی طرح کی روایت صاحب کنز العمال نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی نقل فرمائی ہے کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم



مومن نجس نہیں ہوتا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز بیان پڑھے،  
ارشاد فرماتے ہیں :

حضرت ابوہریرہ جو اس حالت میں الگ ہوئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمال درجہ کی عظمت حضرت کی ان کے دل میں تھی جس نے ان کی عقل کو مقہور کر کے ان کے دل کو اس ادب پر مجبور کر دیا تھا۔ آخر وہ بھی جانتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا امر حکی ہے۔ حسی نہیں ہے کہ دوسرے کو اس سے کہہتے محسوس ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہو سکتا۔

پھر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ شریعیہ بیان فرما دیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے سے کوئی چیز انہیں مانع ہوئی۔ سو اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ صرف فطر ادب کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہو سکے۔ اگر ان کا یہ فعل حضور کو ناگوار ہوتا تو حضور صراحت کے ساتھ انہیں منع فرما دیتے کہ آئندہ وہ اس غلطی کا اعادہ نہ کریں لیکن حضور اس نکتہ سے واقف تھے کہ مومن کا نجس نہ ہونا تقاضائے ادب کے لئے مانع نہیں ہے۔

(۲۳۲)

### عام صحابہ کرام کا شیوہ ادب

مستدرک اور حاکم میں حضرت عبداللہ ابن بریدہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہم لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جب حاضر ہوتے تھے تو فطر ادب سے کوئی شے نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اور مستدرک ہی میں حضرت عبدالرحمن ابن قوط سے یہ روایت بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ لوگ حلقہ بنا کر اس طرح ساکت و جامد بیٹھے ہیں کہ گویا ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں ہیں۔



قریب جا کر دیکھا تو ان کے پیچ میں حضرت خذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور حضور کی حدیث بیان کر رہے ہیں۔  
اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ روح پرور تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:-

اب قرآن زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ اس نے ان حضرات کے مسلک سے ہمیں گتھا دور کر دیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے ان کے قلوب ایسے مؤدب و مہذب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور حسن عقیدت پر دلالت کرنے والے طرح طرح کے طریقے وہ خود اپنی طبیعت سے ایجاد کر لیتے تھے اور اصولِ شرعیہ پر انہیں مستطبق کر لیتے تھے جس کا سمجھنا بھی شاید اس زمانے میں آسانی نہ ہو سکے۔ غرض وہ ہر قسم کا ادب ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہیں پڑی تھی خیر القرون کا یہ حال تھا اور اب آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ ان حضرات کے اتباع میں اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوجھار شروع ہو جاتی ہے۔ صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نہایت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔

### حضرت اسلم ابن شریک کا شیوہ ادب

امام طبرانی نے اسلم ابن شریک سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف رکھتے تھے۔ ایک رات سفر میں مجھے نمانے کی حاجت ہو گئی۔ اسی درمیان میں حضور نے کوچہ کا ارادہ فرمایا۔ اب میں بہت کش مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں۔ ایک طرف سخت سردی کی



رات میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے ہوئے ہلاکت یا بیماری کا خطرہ لاحق تھا۔ دوسری طرف کسی طرح طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں حضور کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا۔ انھوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

قافلہ روانہ ہو جانے کے بعد میں نے کسی طرح پانی گرم کیا اور غسل کرنے کے بعد تیز چل کر قافلہ سے جا ملا۔ حضور نے مجھے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ آج کیا بات ہے کہ میری اونٹنی کا کجاوہ کچھ بدلا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے نہانے کی حاجت پیش آگئی تھی۔ اس لئے مجھے گوارا نہ ہوا کہ اس حالت میں آپ کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ مجبوراً اپنے ایک ساتھی سے درخواست کی اور آج اس نے کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

اسلم کہتے ہیں کہ اسی موقع پر وہ مشہور آیت نازل ہوئی جس میں سفر کی حالت میں غسل جنابت کے لئے تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گرانمایہ کلمات ملاحظہ فرمائیے :

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالت جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ ہوا۔ اگر بحشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا۔ جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیے تھے۔ اب اگر کوئی شخص اپنی نسبت تحقیقی ایمان کا دعویٰ کرے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کرے گا۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ جو دھویں صدی وال خوش عقاد میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔

پھر اگر بات بڑھائی جائے تو یہ سلسلہ وہاں تک پہنچ جائے گا



جہاں سب کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس بات کا ذکر خود شائع  
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں ہو جائے اور اسی کے بعد صورت حال  
 کی مناسبت سے قرآن کی آیت بھی نازل ہو جائے تو اب اس فعل کے  
 قابلِ تحسین ہونے میں کیا شبہ ہے۔  
 الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو بزرگانِ دین  
 کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہی محمود ہے۔ (ص ۲۲۳)

### حضرت برادر ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوہ ادب

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن فروز سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے  
 ایک دن حضرت برادر ابن عازب سے دریافت کیا کہ کن کن جانوروں کی قربانی  
 ناجائز ہے۔

انھوں نے کہا کہ حضور ایک دن ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔  
 اور خطبہ کے دوران اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اور میری انگلیاں حضور  
 کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔ اتنا کہنے کے بعد اب حضور کا ارشاد نقل کیا کہ چار جانوروں کی  
 قربانی جائز نہیں ہے، ایک وہ جس کی آنکھ بھوٹی ہو، دوسرا وہ جو سخت بیمار ہو، تیسرا  
 وہ جس کا لنگڑا ہونا ظاہر ہو اور چوتھا وہ جو نہایت لاغر ہو۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں نمایہ احساسات  
 ملاحظہ فرمائیں۔

حضور نے اپنے خطبہ کے دوران اپنی چار انگلیوں سے اشارہ  
 کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ حضرت  
 برادر ابن عازب کو ان کے شیوہ ادب نے اجازت نہیں دی کہ حضور  
 کے دست مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کریں۔ اس لئے درمیان



میں انھوں نے سلسلہ کلام کو توڑ دیا اور جملہ معتزضہ کے طور پر کہا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جنھیں حضور کی انگلیوں سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صحت تعیین عدد ہے۔ نہ بظاہر اس میں کسی طرح کی مساوات کا خائبہ ہے اور نہ سور ادب ! لیکن اس کے باوجود صحابی کے شیوہ ادب نے دست مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آتی تھی۔

اہل ایمان کے لئے یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ باوجودیکہ حضور نے صحابہ کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اس طرح کا ادب کریں لیکن ان کا شیوہ ادب خود ایمان کا تقاضا محسوس کر لیتا تھا۔ (ص ۲۳۷)

### حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا شیوہ ادب

بخاری شریف میں اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت ام عطیہ کی عادت تھی کہ وہ حضور کا نام لیتے وقت فداہ ابی و امی کہہ کر قی تھیں یعنی میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں۔ یہی شیوہ ادب اکثر صحابہ کا بھی تھا۔ حضور کی حیات ظاہری میں بھی اور وصال شریف کے بعد بھی۔ اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

سبحان اللہ ! کیا ادب تھا کہ روبرو و روبرو غائبانہ بعد وفات شریف بھی وہ ادب ملحوظ ہوتا تھا کہ جب تک اپنے ماں باپ کو فدا نہیں کر لیتے تھے صحابہ کرام حضور کا نام مبارک نہیں لیتے تھے۔ (ص ۲۵۲)



## حضرت امام مالک کا شیوہ ادب

در منظم ہیں ابن حجر عسقلانی نے اور کتاب الشفاء میں قاضی عیاض نے ابن تیمیہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک بار خلفائے عباسیہ کے سلسلے کے دوسرے خلیفہ ابو جعفر منصور کے ساتھ حضرت امام مالک کا کسی مسئلہ میں مباحثہ ہوا۔ گفتگو مسجد نبوی شریف کے صحن میں ہو رہی تھی۔ اتنا کہ گفتگو میں ابو جعفر منصور کی آواز بلند ہو گئی۔ اس پر حضرت امام مالک نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے امیر المؤمنین! اس مسجد میں آواز بلند مت کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آواز بلند کرنے پر اُن لوگوں کی تنبیہ فرمائی جو آپ سے کہیں بہتر تھے۔ اور ان لوگوں کی مدح سرائی کی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اپنی آواز بے اختیار رکھتے تھے۔ اور ان لوگوں کی مذمت کی جو حجرہ شریف کے باہر سے آواز بلند آپ کو بجا رہے تھے۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کا یہ حکم جس طرح حضور کی حیات ظاہری میں تھا اسی طرح آج بھی ہے۔

حضرت امام مالک کا یہ ارشاد سنتے ہی خلیفہ ابو جعفر منصور کی گردن فط ادب سے جھک گئی۔ پھر اس نے حضرت امام مالک سے سوال کیا کہ حضور کے مواضع شریف میں دُعا کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کر دوں یا حضور کی طرف!

فرمایا اس ہستی کی طرف سے اپنا منہ مت پھیرئے جو قیامت کے دن آپ اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ ہیں۔ اس لئے آپ حضور ہی کی طرف منہ کر کے اُن سے شفاعت و سفارش طلب کیجئے۔ کیونکہ خداوند قدوس نے انہی کی سفارش پر مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ گرا نقدر افادات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب ان حضرات کے اعتقادات کو دیکھئے کہ حضرت امام مالک نے آواز بلند کرنے کے سلسلے میں سورہ حجرات کی جن آیات سے استدلال کیا اس کے متعلق خلیفہ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ تَوَقَّصْتُكَ النَّبِيَّ



اور مینا دھڑکتے کے معنی یہاں کیونکر صادق آتے ہیں۔  
 پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفہ موصوف جاہل تھا بلکہ نہایت کامل العقول  
 اور فقیہ النفس عالم جمید تھا۔ مگر امام مالک کے استدلال میں اس درجہ  
 قوت تھی کہ خلیفہ ساکت و مبہوت رہ گیا۔  
 اگر اس زمانے میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو  
 صد شاخسانے اس میں نکالے جائیں گے۔ دوسری طرف حضرت امام  
 مالک کا مقام علم و فضل اتنا بلند ہے کہ ان کے شاگردوں کے  
 شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔  
 اب اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اس میں  
 کچھ کلام کرے تو کسی مسلمان سے یہ نہ ہو سکے گا کہ معترض کی رائے کو  
 امام مالک کی رائے پر ترجیح دے کیونکہ امام مالک وہ شخص ہیں کہ  
 جن کے شاگردوں کا شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر  
 محدثین کو فخر ہے۔ پھر اگر کوئی کثرت تصانیف کو پیش کر کے حضور کے  
 بارے میں کوئی غلط دعویٰ کرے تو اس کا ابطال ان احادیث شریفہ  
 سے ہو جائے گا جن میں خیر القرون ہونا اس زمانے کا اور کم ہو جانا  
 علم کے آخری زمانے میں وارد ہے۔

اور مسجد نبوی شریف کے آداب ہی کے سلسلے میں امام بخاری  
 نے حضرت سائب ابن زید سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے جس میں  
 انھوں نے بیان کیا ہے کہ میں ایک بار مسجد نبوی شریف میں گھڑا تھا  
 کہ مجھے کسی نے گنکری ماری میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حضرت  
 عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو  
 انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہ سامنے جو دو آدمی بیٹھے ہیں انھیں میرے  
 پاس بلا کر لاؤ۔ جب میں ان دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو انھوں  
 نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم



طائف کے رہنے والے ہیں۔ فرمایا کہ اگر تم مدینے کے ہوتے تو میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ تم حضور کی مسجد میں بلند آواز سے بات کرتے ہو۔ (ص ۲۵۱)

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند نہیں کر سکتا تھا۔ اور اگر کوئی کرتا تو مستحقِ تعزیر سمجھا جاتا۔ باوجودیکہ سائب ابن یزید چنداں دور نہ تھے لیکن اسی ادب سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں پکارا نہیں بلکہ کنگری پھینک کر انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام آداب اسی وجہ سے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیات ابدی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ لحاظ اگر صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں) کہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہل مدینہ کے لئے خاص فرمایا جنہیں مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے۔ اگر مسجد ہی کا لحاظ ہوتا تو اہل طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی تو مسجدیں تھیں۔ یہیں سے وہ بات بھی ثابت ہو گئی جو امام مالک نے خلیفہ منصور سے کہا تھا کہ حضور کی عزت و تکریم وصال شریف کے بھی ویسی ہی فرض ہے جیسی حیات ظاہری میں تھی۔ (ص ۲۵۱)



## حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا شیوہ ادب

حضرت امام سیوطی نے تہذیبہ الانبیاء میں امام سبکی کی کتاب الترتیب سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی نے اپنی بعض تصانیف میں وہ واقعہ نقل کیا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں واقع ہوا تھا کہ کسی شریف عورت نے کچھ چرایا تھا اور حضور نے چوری کی سزا میں اس کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اس پر کسی صاحب نے حضور سے سفارش کی۔ اس موقع پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر فلاں عورت بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹنے کا حکم صادر کرتا۔

امام شافعی کے انداز بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت امام سبکی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں اس مقام پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے اگر بعینہ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بے موقع بات نہیں لکھتی لیکن امام شافعی نے ازراہ کمال ادب ان کا نام نہیں لیا بلکہ نام کی جگہ فلاں عورت کہا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ باوقار تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔  
ارشاد فرماتے ہیں :

سبحان اللہ! کیا ادب تھا۔ حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہ نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور سیدہ کا نام مبارک جو حدیث میں وارد ہے وہ کس کے ساتھ ہے جس کا اطلاق کسی محال چیز پر بر سبیل فرض محال ہوتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں وہ مقام توہین میں وارد تھا اس لئے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحتہ ذکر کریں۔  
سچ کہا ہے لوگوں نے کہ جو مقررین بارگاہ ہوتے ہیں انہی



کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس و ناکس میں یہ صلاحیت کہاں ہے۔ (۲۳۳)

## حضرت ابو ایوب سختیانی کا شیوہ ادب

حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ کسی نے حضرت امام مالک سے پوچھا کہ ابو ایوب سختیانی کا کیا حال تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میرے اساتذہ میں وہ سب سے افضل تھے۔ انھوں نے دو حج کئے اور میں دونوں بار ان کے ساتھ تھا۔ سفر کے دوران جب بھی ان سے کسی حدیث کی روایت سنی تو حضور کے ساتھ ان کی والہانہ محبت کا یہ عالم دیکھا کہ جب وہ حضور کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر میں نے ان کی شاگردی اختیار کر لی۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی غیرت ایمانی کا یہ جلوہ ملاحظہ فرمائیے۔

ارشاد فرماتے ہیں۔

سبحان اللہ! وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہو جائے کہ بڑے بڑے معاصرین سے انھیں افضل بنادے اور یہاں ہنوز اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ ذکر پاک کی مجالس ہی نہ منعقد ہونے پائیں؛ ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتوں سے مسلمان فیضیاب ہوتے رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے؟ (۲۴۴)



# نام مبارک کی تعظیم کا حکم

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود و باوجود کی تعظیم و تکریم ایمان کا مقتضی ہے اسی طرح حضور کے نام پاک کی تعظیم و توقیر کا بھی حکم وارد ہوا ہے جیسا کہ صاحب کنز العمال نے نام پاک کی تعظیم و تکریم سے متعلق پانچ حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

## پہلی حدیث

حضرت بزار سے مروی ہے وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابو رافع سے انہوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اسے مارومت اور اسے محروم نہ کرو۔

## دوسری حدیث

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اس کی تعظیم و توقیر کرو اور جب وہ مجلس میں پہنچ جائے تو اسے بیٹھنے کی جگہ دو۔

## تیسری حدیث

حضرت دہلی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچے کا نام محمد رکھو تو اسے محروم مت کرو کیونکہ محمد کے نام میں برکت دی گئی ہے یہاں تک کہ اس گھر میں بھی برکت دی گئی ہے جس میں محمد



نام کا کوئی شخص رہتا ہو۔

### پو کھتی حدیث

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اُسے گالیاں بھی دیتے ہو۔

### پانچویں حدیث

پانچویں حدیث بھی حضرت انس ہی سے مروی ہے جس میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اُس پر لعنت بھی بھیجتے ہو۔ حضرت فاضل مصنف ان پانچوں حدیثوں کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل یہ پانچوں روایتیں کثر اعمال میں ہیں۔ ان تمام روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نام مبارک کی تعظیم و ادب کے ساتھ ساتھ نام دلے کا بھی ادب و احترام کرنا چاہیے۔ (ص ۳۶۵)

### تعظیم نام محمد کا ایک ایمان افروز واقعہ

حضرت ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں حضرت وہب ابن منبہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہایت بدکار شخص تھا۔ اس نے سو برس تک خدا کی ایسی ایسی نافرمانی کی اور خدا کی مخلوق پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو لوگوں نے اس کے ظلم و شقاوت اور بدکاریوں کی وجہ سے اسے اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ اسے عزت و اکرام کے ساتھ دفن کریں۔ چنانچہ نہایت حقارت و ناقدری کے ساتھ لوگوں نے اس کی لاش کو ایک کوڑے خانے پر لاکر پھینک دیا جہاں گاؤں بھر کی بجااست و غلاظت ڈالی جاتی تھی۔

وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ خداوند ذوالجلال کی طرف سے انہیں حکم



صادر ہوا کہ فلاں گاؤں کے کوڑے خانے پر ایک شخص کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اُسے وہاں سے اٹھا کر عزت و تکریم کے ساتھ فوراً کسی قبرستان میں دفن کر دو۔

وہاں پہنچنے کے بعد جب لوگوں کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس شخص کی سیہ کاریوں اور ظلم و شقاوت کی تفصیل معلوم ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند قدوس کی جناب میں عرضی پیش کی کہ گاؤں کے سارے لوگ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ شخص سو برس کی طویل مدت تک تیری نافرمانی کرتا رہا یہ اپنے زمانے کا بدترین شخص تھا یہ کسی عزت و تکریم کے لائق نہیں ہے۔ ارشاد خداوندی ہوا لوگ سچ کہتے ہیں لیکن اس کی صرف ایک خوبی کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیئے اور جنت کی ستر حوروں کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔

وہ خوبی یہ تھی کہ جب بھی وہ تورات کھولتا تو نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتا آنکھوں سے لگاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عنایت بیکراں پر حیران رہ گئے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

اگر اُس ادب کی وقعت کا خیال کیا جائے تو حق تعالیٰ کو غضب میں لانے والے عمر بھر کے اعمال پر سبقت کر کے سب کو بخشوا لینا اسی کا کام تھا۔

غرض کہ جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گزشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرے تو ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توفیق ہوگی۔ اس پر بھی اگر نام مبارک کو دیکھ کر اور سن کر کبھی بوسہ نہ لیں تو اتنا ضرور چاہیے کہ حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کریں۔ (ص ۲۶۶)



## مسئلہ

## نام پاک سن کر انگوٹھا چومنے کی بحث

نام پاک سن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کے مستحب ہونے پر حضرت  
فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز بحث دل کی گہرائی سے بڑھے کہ وہ بیماروں کی شفا یابی  
اور صحت مندوں کی تقویت کا باعث ہے۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے :

(۱)

تفسیر روح البیان میں ہستانی، شرح کبیر، محیط اور قوت القلوب وغیرہ سے نقل کیا ہے  
کہ جب مؤذن پہلی بار اَشْهَدُ اَنْ مَحَمَّدٌ اَمْرٌ سُوْلُ اللّٰہِ کہے تو سننے والوں کو  
چاہیے کہ وہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَا مَرْسُوْلَ اللّٰہِ کہیں۔ اور جب دوسری بار  
اَشْهَدُ اَنْ مَحَمَّدٌ اَمْرٌ سُوْلُ اللّٰہِ کہے تو سننے والوں کو چاہیے کہ انگوٹھوں کے  
ناخن آنکھوں پر رکھ کر قُرْآنَ عَلَیْہِ بَلَّ یَا مَرْسُوْلَ اللّٰہِ کہنے کے بعد اَللّٰہُمَّ مَتِّعْہِ  
یَا السَّیِّدِیَّ وَ اَلْبَصِرَ پڑھیں۔

اور محیط میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
کا نام پاک مؤذن سے سن کر انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے۔ اور منہ اس میں لکھا  
ہے کہ جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام نور محمدی کی زیارت کے مشتاق ہوئے تو  
حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کے نور کو ان کے دونوں ناخنوں میں جلوہ گر فرمادیا اور انکھوں  
نے انہیں بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملا۔ اور ان کی یہ سنہال ان کی اولاد میں جاری رہی۔



پھر جبریل علیہ السلام نے جب یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور انگلیوں پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملے تو کبھی اندھا نہ ہوگا۔

(۲)

امام سخاوی نے اپنی کتاب مقاصد حسنیہ دلمی کی مسند الفردوس سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت کہ یہ تھی کہ جب وہ مؤذن سے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ سنتے تو اس کے جواب میں ارشاد فرماتے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا عَبْدٌ وَّرَّسُوْلُهُ رَضِیْتُ بِاللّٰهِ مَا بَا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَبِیْنًا۔ اس کے بعد کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصے پر بوسہ دیتے اور انھیں اپنی آنکھوں سے لگاتے۔

اور کہا راوی نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا نام سن کر جیسا کہ میرے دوست ابو بکر نے کیا ویسا جو بھی کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔ اور اسی طرح کی حدیث حضرت ابو العباس احمد بن ابی بکر الرواد نے اپنی کتاب موجبات الرحمة وعزائم المغفرة میں حضرت خضر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ جو شخص مؤذن کے کلمہ شہادت کے جواب میں کہے اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ مَرْجُوًّا بِحَبِیْبِیْ وَتَرْوَةً عَلَیْنِیْ مُحَمَّدٌ بِنِ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ پھر اپنے انگلیوں کو بوسے اور انھیں اپنی آنکھوں پر رکھے تو وہ کبھی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔

پھر روایت کی ابو العباس نے اپنے بھائی فقیہ محمد ابن الباہ سے کہ ایک بار سخت ہوا چلی جس سے ایک چھوٹی سی کنکری ان کی آنکھ میں پڑ گئی۔ بہت کوشش کے باوجود کنکری آنکھ سے نہ نکل سکی یہاں تک کہ جب آنکھ دکھنے لگی تو مؤذن سے کلمہ اذان سن کر حدیث پر عمل کیا فوراً ہی کنکری نکل آئی۔ رواد کہتے ہیں کہ یہ بات حضور کی بڑی بڑی فضیلتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

یہاں تک مقاصد حسنیہ کی عبارت تھی اب مصنف کتاب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔



ارشاد فرماتے ہیں :

الحاصل دین و دنیا میں ادب کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا یقیناً اس کے دین میں کہیں نہ کہیں رخنہ ضرور ہوگا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلے میں یہ گستاخانہ جملہ کہا تھا کہ اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ میں اس سے بہتر ہوں اور جس کے نتیجے میں وہ مردود بارگاہ کبریائی ہوا، اسی وقت سے اولاد آدم کی عداوت اس کے دل میں جم گئی اور باپ کا انتقام اولاد سے لینے کے لئے مختلف قسم کی تدبیر اس نے سوچی۔

مگر اس غرض کے لئے وہی تدبیر اسے سب سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں زبردست اثر رکھتی ہے۔ اس لئے اس نے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کی عام تعلیم شروع کر دی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہتے رہے کہ تم ہماری ہی طرح ایک بشر ہو۔

گہرائی میں اتر کر سوچئے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو اَنَا خَيْرٌ مِنْهُ میں تھی۔ اگر کسی قدر فرق ہے تو تابع اور متبوع کی ہمتوں میں ہے۔ (صفحہ ۲۷۵)

اس کی عبارت کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں :

انبیاء علیہم السلام نے ہزار ہا معجزے دکھائے مگر کفار کے دلوں میں ان کی عظمت اس نے جتنے نہ دی۔ پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت



کومان لیا اور مسلمان ہو گئے ان سے کسی قدر اسے مایوسی ہوئی۔ کیونکہ  
 ان سے تو وہ بے باکی نہیں ہو سکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی۔  
 اب بہت غور و فکر کے بعد مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس  
 نے بے ادبی کا دروازہ کھولا اور بے ادبی کو راست گوئی کا نام دیا۔  
 اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں آراستہ کر کے  
 احمقوں کے دماغ میں اتار دیتا ہے۔ اور کچھ ایسا بے وقوف بنا دیتا  
 ہے کہ راست گوئی کی دُھن میں نہ ان کو کسی بزرگ کی حرمت و توقیر کا  
 خیال رہتا ہے اور نہ اپنے انجام کا اندیشہ۔ (ص ۲۷۵)



## تاریخِ فتنہ و ہابیت

حضرت فاضل مصنف نے احادیث کی روشنی میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس فتنہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جس احساس کے تحت انہوں نے اس بحث کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے اس فتنہ کی کھول کھول کر نشاندہی فرمائی ہے اور احادیث کی کتابیں ان روایات سے بھری پڑی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے چھپایا جائے۔ اس لئے علم کی دیانتدار ہی کا تقاضا ہے کہ اسے عوام کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ رکھ دیا جائے تاکہ اپنے آپ کو وہ اس فتنہ کی زد سے بچا سکیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے انہوں نے بخاری شریف کی وہ حدیث نقل کی ہے جو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور انور اموالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلہ بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا حضور کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور نہایت گستاخانہ جسارت کے ساتھ کہنے لگا کہ آپ انصاف سے مالِ غنیمت تقسیم کیجئے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گستاخانہ حملے پر انہما ناراضگی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں انصاف نہ کروں تو اس دنیا میں کون انصاف کرنے والا ہے۔ اگر میں انصاف نہ کروں تو یقیناً تو مجھ و نامراد ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی یہ گستاخی برداشت نہ ہو سکی۔ وہ فطرتاً غضب میں اپنی تلوار بے نیام کر کے کھڑے ہو گئے اور حضور سے اجازت چاہی کہ میں اس گستاخ کا سر قلم کر دوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو یہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کی نسل سے ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہو گا جو ایسی نمازیں پڑھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی



نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار کو چھیدتا ہوا تیر نکل جاتا ہے اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے کنز العمال میں بھی نقل کی گئی ہے۔ جس میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ اس کو وہ کی علامت سر منڈانا ہے۔ اور یہ گروہ روپ بدل بدل کر نکلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔ وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں۔

اب حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ پڑھے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت عابد تھا کہ کثرت صلوٰۃ سے اس کی پیشانی میں گتہ پڑ گیا تھا۔ ان احادیث میں شامل کرنے کے بعد ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ باوجود کثرت عبادت اور ریاضت شاقہ کے وہ شخص اور اس کے ہم خیال بدترین مخلوقات بٹھیرے۔ وجہ اس کی سوائے بے ادبی اور طبعی گستاخی کے اور کوئی نہیں نکلتے گی۔

(انوار احمدی ص ۲۸)

اسی مضمون کی تیسری حدیث حضرت امام احمد، طبرانی اور حاکم نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ جب ایک سینک کاٹی جائے گی تو دوسری سینک نکل آئے گی یعنی جب ایک فرقے کا نام و نشان مٹ جائے گا تو دوسرا فرقہ ظہور کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ ہوگا۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ بیان جستم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔



چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خوارج بھی مشرق ہی کی طرف سے نکلے  
اور وہابی بھی مشرق ہی کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ غالباً یہ وہی فرقہ  
ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (انوار احمدی ص ۳۰)

وہ حدیث یہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم  
صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے  
ملک شام اور ملک یمن میں برکت دے۔ اس موقع پر ملک نجد کے لوگ بھی موجود  
تھے، انھوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ ہمارے نجد کے بارے میں بھی برکت کی  
دعا فرمائیں۔ حضور نے پھر ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں برکت کی دعا فرمائی  
جب جب دوسری بار پھر نجد کے لوگوں نے اصرار کیا تو حضور نے حقیقت کے چہرے سے  
نقاب الٹ دیا اور ارشاد فرمایا کہ وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے اور وہاں  
سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف  
میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ حقیقت افروز تبصرہ پڑھئے۔

اس حدیث شریف سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ نجد سے  
فتنہ برپا ہوں گے۔ اور اوپر کی حدیث میں گزر آ کہ وہ لوگ مشرق سے  
نکلے گے اگرچہ مشرق عام ہے کہ ہندوستان بھی مدینہ طیبہ کے  
مشرق ہی میں واقع ہے لیکن مدینہ شریف کے عوام اور خواص نجد ہی  
کو مشرق اور وہابیوں کو مشرق کہا کرتے ہیں جن کی اقامت ملک نجد  
میں ہے۔

نہیں معلوم ہوا کہ ان حدیثوں سے وہابیوں کا فتنہ مراد ہے۔  
پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چند علامتیں بیان فرمائی ہیں  
مبجلہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ مشرق سے نکلیں گے جیسا کہ ابھی معلوم



ہوا اور دوسری یہ کہ وہ بات نہایت ہی عمدہ کہیں گے۔ اور ایک علامت یہ ہے کہ ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد کوئی وہاں سے واپس نہیں لوٹے گا۔ (انوار احمدی ص ۳۱)

اس مضمون کی متعدد حدیثیں نقل کرنے کے بعد حضرت موصوف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ مسلمانوں کو جو سچا دینے کے لئے کافی ہے۔ مسافروں کے رستے کے سنگین خطرات سے باخبر کرنے والا دشمن نہیں ہوتا یہاں مسلمانوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جان سے زیادہ قیمت ایمان کی ہے کیونکہ جان اگر ضائع ہو جائے تو مرنے کے بعد پھر مل جائے گی لیکن ایمان ضائع ہو گیا تو دوبارہ اس کا حصول ناممکن ہے۔ اسی بنیاد کو سامنے رکھ کر حضرت فاضل مصنف کا یہ تبصرہ پڑھئے۔

اس میں شک نہیں کہ کوئی باطنی خرابی اس فرقہ میں ضرور ہے جس کی وجہ سے محضر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین سے نکل جانے کے بعد پھر وہ دین میں پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ مگر بظاہر ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حمایت توحید اور دفع شرک و بدعت کے غرور میں یہ لوگ محبوبانِ بارگاہِ الہی کی نہ صرف توحید کرتے ہیں بلکہ اصول دین کی طرح دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتے ہیں جس کی وجہ سے غیرتِ الہی انہیں اپنے غضب کا نشانہ بناتی ہے۔ (انوار احمدی ص ۳۱)

اس فرقے کا بانی محمد ابن عبد الوہاب نجدی ہے۔ ذوالنویصرہ نام کا مشہور گستاخ جس کا ذکر کئی حدیثوں میں آیا ہے، وہ قبیلہ بنی تمیم سے تھا۔ اور ابن عبد الوہاب بھی تمیمی ہے۔ فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ اسی کی نسل سے ہو۔ اس فرقے کی ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ نہایت التزام کے ساتھ اپنے سر کے بال منڈوائیں گے۔ حضرت فاضل مصنف نے شیخ عبد الرحمن اہرل مفتی زبید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن عبد الوہاب نجدی کی حقیقت سمجھنے کے لئے وہ نشانی بہت کافی ہے جس



کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ سرمنڈوایا کریں گے۔ اس فرقہ کی جتنی علامتیں بیان کی گئی ہیں انہیں حالات و واقعات پر منطبق کرنے کے بعد حضرت فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں :

علامات مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم فرقہ وہابیہ کے نکلنے کی خبر دے چکے ہیں اور جو علامتیں حضور نے بیان کی ہیں وہ سب ان میں پائی گئی ہیں۔ ان احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ حضرت علامہ زینبی دحلان مکی کی مستند کتاب "الدُّرَرُ السَّيِّئَةُ" میں اور بھی بہت سی علامتیں اس گروہ کی مذکور ہیں۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرقہ وہابیہ خوارج کی ایک شاخ ہے۔ مگر اس وجہ سے کہ نئے طور پر اس کا خروج ہوا اس لئے اس کا نام جداگانہ قرار پایا اور وہ فرقہ اپنے بانی کی طرف منسوب ہوا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں مگر محتاط علماء نے جب دیکھا کہ عوام الناس انہیں ضرور برا بھلا کہیں گے اور اس میں حضور کے نام مبارک کے لفظ کی توہین ہوگی اس لئے وہ وہابی کے نام سے موسوم کر دیئے گئے۔  
(انوار احمدی ص ۳۱۴)

اب اس فرقہ وہابیہ کے مظالم نے اہل حق پر جو مظالم ڈھائے ہیں اور منصب رسالت کی تنقیص کر کے اہل اسلام کی جو دل آزاریاں کی ہیں ان کی تفصیلات فاضل مصنف کے قلم سے پڑھئے۔ کیلچہ تڑپے گا، آنکھوں سے لہو کی بوند ٹپکے گی، جذبہ عقیدت مجروح ہوگا اور فرط غضب سے دل کا عالم زبر و زبر ہونے لگے گا لیکن یہ پوری کہانی صبر و ضبط کے ساتھ آپ کو پڑھنی ہے تاکہ رسول دشمنی کے کردار سے آپ پوری طرح واقف ہو جائیں۔ فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

"خوارج کی طرح اس فرقہ کو بھی عمل میں نہایت غلو تھا۔ یہاں تک کہ



تارک فرض کو یہ لوگ کافر اور حلال الدم سمجھتے تھے۔ عقیدہ توحید میں وہ اس قدر متشدد تھے کہ یا رسول اللہ کہنے والے اور بزرگوں سے مدد مانگنے والے کو یہ لوگ کافر سمجھتے تھے۔

”ابن عبد الوہاب ہر جمعہ کے خطبہ میں کہا کرتا کہ جو شخص نبی کا وسیلہ پکڑے وہ کافر ہے۔ اور زیارت قبور کو وہ ناجائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک قافلہ مقام احسا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پاک کی زیارت کی غرض سے مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور اسی کے وقت جب وہ قافلہ ”درعیہ“ پہنچا جہاں ابن عبد الوہاب کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس نے ان لوگوں کی یہ سزا مقرر کی کہ ان کی ڈالڑھیاں منڈوائی جائیں اور گدھوں پر اس رسوائی کے ساتھ انھیں سوار کرایا جائے کہ ان کا منہ دم کی طرف ہو۔ تاکہ اس بات کی اچھی طرح تشہیر ہو جائے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جائے اس کی یہ سزا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بدعت سے ان لوگوں کو اس قدر اجتناب تھا کہ دلائل الخیرات شریف کی سیکڑوں جلدیں جلادی گئیں۔ ایک نابینا شخص مسجد کے مینارے پر کھڑے ہو کر صلاۃ و سلام پڑھتا تھا اسے قتل کرادیا گیا۔

ابن عبد الوہاب کہتا تھا کہ جمعہ کی رات اور دن میں جو شخص درود پڑھتا ہے وہ دوزخی ہے۔ جو حضور کے نام پاک کے ساتھ سیدنا کا لفظ لگاتا ہے وہ کافر ہے۔ کبھی کہتا کہ مجھے قدرت ملی تو میں گنبد خضر کو ڈھا دوں گا۔ وہ کہتا تھا کہ میری لائٹھی حضور سے بہتر ہے کہ اس سے میرا کام نکلتا ہے۔“ (الوزار احمدی ص ۳۱۶)

ایک انتہائی غیرتناک واقعہ مُصَنَّف ابن ابی شیبہ کے نام سے حدیث کی ایک نہایت مستند کتاب ہے اس میں حضرت ابو طفیل کی روایت سے ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اسے چشم بصیرت



سے پڑھے اور اندازہ لگائیے کہ بد عقیدوں کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر دین و ایمان کی برکتوں پر کیا پڑتا ہے؟

راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب حضور کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا تو حضور نے اسے دُعا دی اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیا یا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی پر اتنے خوبصورت بال اُگ آئے جو تمام بالوں سے ممتاز تھے۔

جب وہ لڑکا جوان ہوا اور اُن خوارج کا زمانہ آیا جن کی بد عقیدگی اور گستاخی بہت ساری حدیثوں میں مذکور ہے۔ آج کی تبلیغی جماعت کی طرح اس وقت کے خارجی بھی طرح طرح کی ترغیب دے کر نوجوانوں کو اپنی جماعت میں شامل کرتے تھے۔ بد قسمتی سے وہ نوجوان بھی ان کے بہکاوے میں آگیا اور ان کی جماعت میں شامل ہو گیا۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں ان کی محبت گھر کر گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی کے سارے بال جھڑ گئے۔

اس کے باپ نے جب بیٹے کا یہ حال دیکھا تو اسے گھر میں قید کر دیا، حضرت ابو لطفیل فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اس نوجوان کے پاس گئے اور اسے سمجھایا کہ ان کی صحبت کی نحوست کا اثر تم نے دیکھ لیا کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تمہاری پیشانی سے جاتی رہی۔ فرماتے ہیں کہ جب تک اس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا ہم اسے ہر طرح سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے دل سے ان کی محبت نکل گئی اور ان کے عقائد سے اس نے توبہ کر لی تو دوست مبارک کی وہی نشانی پھر اس کی پیشانی میں حق تعالیٰ نے پیدا کر دی۔

(انوار احمدی ص ۳۰)



اس واقعہ پر فاضل مصنف کا تبصرہ اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

اس حدیث سے کئی امور مستنبط اور ثابت ہوتے ہیں :  
ایک یہ کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگ گیا اس مقام کو ہمیشہ کے لئے ایک خصوصیت اور برکت حاصل ہو گئی۔  
دوسرا یہ کہ ان برکتوں کے ظہور کے لئے وہی لوگ خاص کئے جاتے تھے جو برگزیدہ ہوں پھر جہاں ان میں کسی قسم کی خرابی آگئی وہ برکت جاتی رہی تاکہ طالبان حق کو اس سے عبرت حاصل ہو۔ نیز اس طرح کافض انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتا تھا جو اہل حق ہوں اہل باطل اس سعادت سے محروم رہتے تھے۔  
تیسرا یہ کہ جس کو آنحضرت نے ازراہ شفقت دست مبارک لگا دیا عقائد باطلہ کا اثر اس کے دل میں راسخ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ باطل عقائد اس کے دل میں راسخ نہیں ہوتے تھے اسی لئے اُسے تو بہ نصیب ہوئی ورنہ احادیث کی صراحتوں کے مطابق باطل فرقے کا اثر جس کے دل پر جم جاتا ہے وہ کبھی راہ راست پر نہیں آ سکتا۔ (انوار احمدی - ۳۰۵)

### ہندوستان میں وہابی فرقے کی نشاندہی

پچھلے اوراق میں حضرت فاضل مصنف کے قلم سے وہابی فرقے کی تاریخ آپ رہ چکی۔ کئی صفحات پر پھیلی ہوئی بحث کے مطالعے سے اتنی آگہی تو آپ کو ضرور ہو گئی ہو گی کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک ایک باطل اور گستاخ فرقہ روپ اور نام بدل بدل کر ہر زمانے میں موجود رہا ہے جانب مشرق یعنی نجد سے جس فتنے کے ظہور کی حضور



نے خبر دی ہے یہ خبر غلط نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ ایک مخبر صادق کی خبر ہے۔ اس لئے آپ کا ایمانی فریضہ ہے کہ اس گروہ کو آپ تلاش کریں، علامتوں کے ذریعے اسے پہچانیں اور اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ ہندوستان میں وہابی مسلک کے علمبرداروں کی نشاندہی کے سلسلے میں بجائے اس کے کہ ہم کوئی بات اپنی طرف سے کہیں انہی حضرات کا اقراری بیان ہم اس کتاب کے قارئین کے سامنے رکھ دینا چاہتے ہیں۔

**پہلا اقراری بیان** دیوبندی جماعت کے مقتدر پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ جن دنوں تھانوی صاحب کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ محلے کی چند عورتیں فاتحہ کرانے کے لئے مٹھائی لے کر مدرسہ میں آئیں۔ تھانوی صاحب کے طلبہ نے فاتحہ دینے کے بجائے مٹھائی لے کر خود کھال۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ تھانوی صاحب کو خبر ہوئی تو وہ آئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”بھائی! یہاں وہابی رہتے ہیں یہاں فاتحہ نیاز کے لئے کچھ مت

لایا کرو۔“ (اشرف السوانح ج ۱ ص ۴۵)

**دوسرا اقراری بیان** دیوبندی جماعت کے دوسرے مقتدر پیشوا مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

محمد ابن عبد الوہاب کے وہابیوں کو مقتدی کہتے ہیں۔ اُن کے عقائد

عمدہ تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱)

**تیسرا اقراری بیان** تبلیغی جماعت کے مرکزی قائدین میں مولانا زکریا شیع الحدیث سہارنپور، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا منظور نعمانی کے نام سرورق پر ہیں:

”سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی“ نامی کتاب جو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں مولانا منظور نعمانی، مولانا الیاس کے مرض الموت میں ان کی

جانشینی کے مسئلے پر اپنی بیچینیوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس دیوار کار از فاش کرنے والی یہ کہانی پوری توجہ کے ساتھ پڑھئے۔



• ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارے میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں دعوتی کام کا مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت سے تعلق رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا۔ اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کی تھی۔“

(سوانح محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۹۰)

اس کے بعد اپنے بیان کے مطابق اگلے دن صبح کے وقت نعمانی صاحب نے مولانا زکریا سے ملاقات کی اور ان کے سامنے اپنے ساتھیوں کی یہ تجویز رکھی کہ وہ تبلیغی جماعت کے امیر کی حیثیت سے مرکز میں اپنا قیام منظور فرمائیں۔ اس سلسلے میں نعمانی صاحب اپنی گفتگو کا ایک نہایت اہم حصہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس پورے واقعہ میں ان کی گفتگو کا یہی حصہ میری تحریر کا اصل مدعا ہے۔

اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر پورے ہی دنوں بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارے میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ ”ہم بڑے سخت و پابی ہیں“ ہمارے لئے اس بات میں کوئی خاص کشش نہ ہوگی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے۔ یہ مسجد ہے جس میں حضرت نماز پڑھتے تھے، یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے۔

(سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص ۱۹۲)



چوتھا اقراری بیان  
اب ذیل میں مولانا زکریا کا جواب ملاحظہ فرمائیں انھوں نے کہا کہ :

اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا۔ اور اگر کسی اور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ لو گے اور میں بھی دیکھ لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا۔ بس انتظار کرو! اللہ سے دعا کرو۔

اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب "میر، خود تم سے بڑا وہابی ہوں" نہیں شورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ اور درود یار کی وجہ سے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔

(سوانح مولانا محمد یوسف ص ۱۹۳)

تھاوی صاحب سے لے کر مولانا منظور نعمانی، اور مولانا زکریا تک تبلیغی جماعت کے سارے قائدین کا یہ اقراری بیان آپ کے سامنے ہے کہ ہم وہابی ہیں "میں بڑا سخت وہابی ہوں" "میں تم سے بڑا وہابی ہوں"۔ کوئی دوسرا ان کے بارے میں یہ کہتا تو الزام سمجھا جاتا لیکن خود اپنے اقرار کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعہ یہ حضرت "وہابی" ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ اقرار انھوں نے اپنی نجی گفتگو اور تنہائی کی ملاقات میں کیا ہے اس لئے اسے کسی اور معنی پر محمول کرنے کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ واضح رہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی صراحت کے مطابق ابن عبد الوہاب نجدی کی پیروی کرنے والوں کو وہابی کہتے ہیں۔

اتنی مضبوط اور پختوس شہادتوں کے بعد اب آپ کو انھکی اٹھا کر دکھانے کی



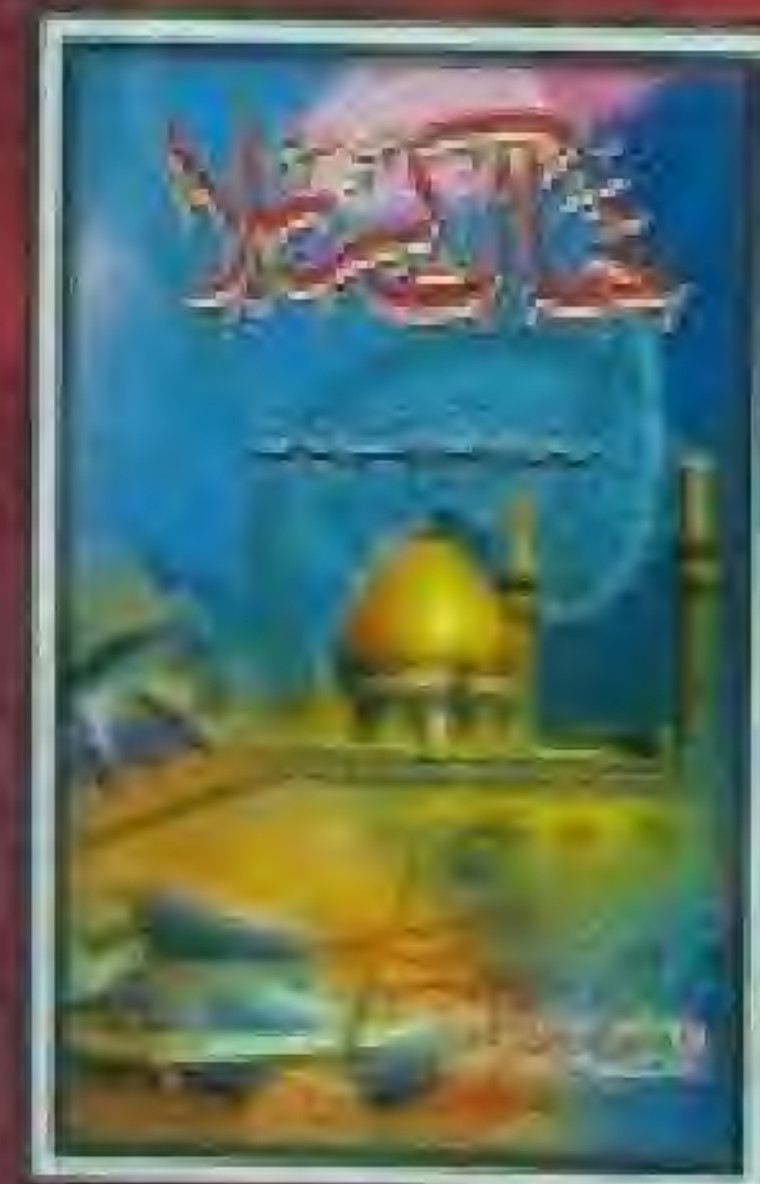
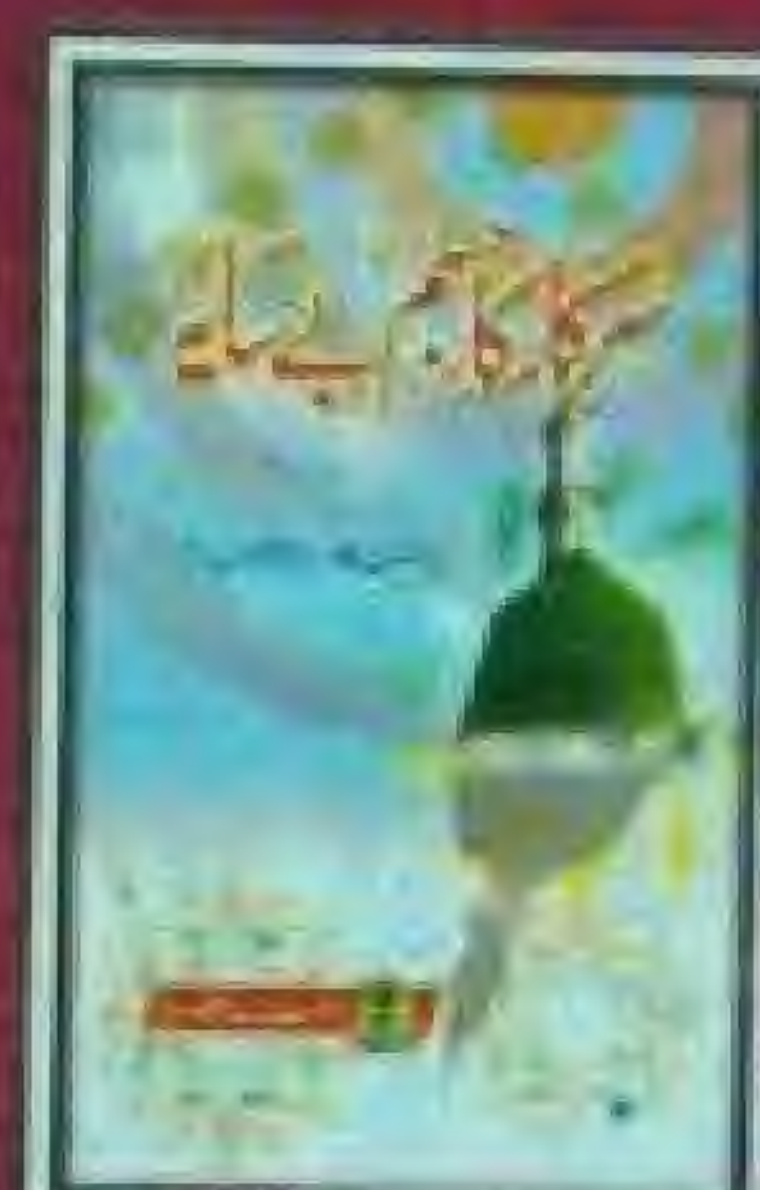
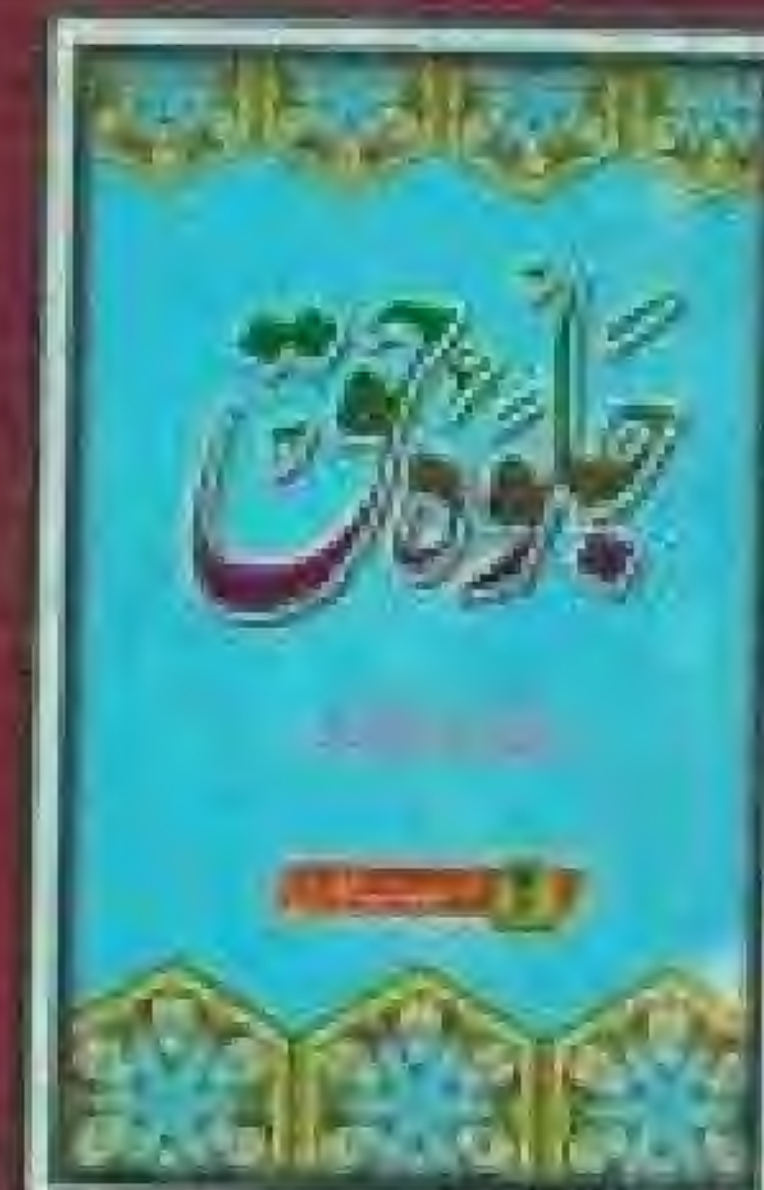
ضرورت نہیں کہ وہابی کون ہے۔ اور کون طبقہ وہابی مذہب کے خلاف سینہ سپر ہے۔  
اپنے نبی کے ساتھ آپ کے دل کا رشتہ اگر صحیح ہے تو آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا کچھ  
مشکل نہیں ہے کہ آپ کس کے ساتھ ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا لَأَنَّا نَبْلَاغُ



Arshad Mohammed





**MAKTABA JAAM-E-NOOR**  
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6  
Ph - 011 - 3281418, 3243019

مکتبہ جامعہ نور



